فہرست

- ----------دیباچہ:-----

کتاب کا نام: my work on Islam Volume 1

موضوع: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مصنف: عدنان خان عرف AdnanAfrydy

میں عالم اور مفتی نہیں ہوں۔ میں عربی اور اردو گرامر سے

ناواقف ہوں ۔

میں نے my work on Islam اس کتاب کا نام اسلئے رکھا ہے

کیونکہ میں نے کسی کتاب یا عالم سے کاپی پیسٹ نہیں کیا

بلکہ خود کی سمجھ لکھی ہے۔ میں چونکہ عالم نہیں ہوں تو

میرے ہر پوسٹ کے بارے میں تحقیق کیا کریں ۔

میں نے بعض مسائل علماء سے سیکھ کر لکھے ہے اور بعض

اختلافی مسائل میں تطبیق کی کوشش کی ہے اور بعض ذاتی

اجتہادہے قرآن و حدیث سے۔ اگر میں کہی پہ خطا کر گیا ہوں

تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہیں اور اگر حق تک پہنچا

ہوں تو یہ خالص اللہ کی طرف سے ہے ۔

بعض مسائل کے حوالے دئیے ہیں اور اکثر کے حوالے نہیں دیئے

ہیں طوالت سے بچنے کے لئے ۔

قرآن و حدیث کا حوالہ دیئے بغیر بات اثر نہیں کرتی کیونکہ

اللہ کی بات ہی انسان کو فکر مند کرواتا ہے ۔ لیکن جو بھی

لکھا ہے میرے ذہن میں آیت، حدیث اور مفسرین کے اقوال

حاظر تھے۔ پھر بھی تحقیق خوب کیا کریں ۔ علم کی طلب کیا

کریں ۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

● مسئلہ توحید و شرک

شرک کو مندرجہ ذیل تین **(3)** مختلف زاویوں

سے دیکھنا اگر کسی عمل یا عقیدہ میں ان تینوں میں ایک

بھی مفہوم پایا جائے تو شرک ہے ورنہ نہیں ۔ پھر یہ حرام بھی

ہو سکتا ہے اور جائز بھی۔

پہلا زاویہ:

قرآن میں ہے

(مفہوم) اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں مشابہ اور مثل

کوئی نہیں۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ

ترجمہ: الشوریٰ – 11

اس جیسی کوئی چیز نہیں

اللہ کے صفات کامل ہے۔ ان صفات میں ایک صفت میں بھی

کمی نہیں ہے ۔ مخلوق کی صفت کو اگر کامل سمجھا جائے تو

اللہ کا نظیر اور مثل پیدا ہو جائے گا جو کہ شرک ہے ۔

اللہ کے علاوہ کسی کی بھی صفات نہ کامل ہے اور نہ ذاتی ہے اور نہ مستقل ہے۔ مخلوق اللہ کی مشیت کے بغیر مردہ بے جان اور عدم ہے۔ مخلوق کی ذات اور صفات اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی مشیت کے تابع ہے ۔

عالم الغیب کامل علم کو مستلزم ہے کیونکہ جو عالم الغیب ہوتا ہے وہ کسی بھی علم تک رسائی حاصل کر سکتا ہے لہذا یہ کامل علم ہی ہوا اس لئے غیراللہ کو علم غیب ثابت کرنا شرک ہے ۔

اسی طرح مخلوق تصرف میں آزاد نہیں ہے کیونکہ تصرف میں

آزادی کامل قدرت کو مستلزم ہے ۔

علم کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا کامل علم کو

مستلزم ہے اس لئے مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے ۔

غیراللہ کو ایسی طاقت ثابت کرنا کہ نفع و نقصان پہنچانے

میں اسباب کا محتاج نہیں ہوتا شرک ہے ،یہ دوسرے زاویے

میں بتایا جائے گا۔

دوسرا زاویہ:

یہ زاویہ پہلے زاویے سے ملتا جلتا ہے

غیراللہ کو ما فوق الاسباب صفات اور افعال ثابت کرنا شرک

ہے۔

مافوق الاسباب تصرف کا حاصل یہ ہے کہ فاعل کو مفعول پر

اپنا فعل جاری کرنے کے لئے کسی آلے اور سبب کی ضرورت

نہیں ہے ۔

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ

فَيَكُوۡنُ ۞ البقرہ – 117

ترجمہ:

(وہی اللہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی

کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ

ہوجاتا ہے

کچھ صفات اور افعال اللہ کے ایسے ہے جو الفاظ کی حد تک

مخلوق کے لئے بھی ثابت ہے جیسے کہ سمع و بصر۔ لیکن اللہ

دیکھنے اور سننے میں اسباب کا محتاج نہیں ہے اور مخلوق

اسباب کا محتاج ہے ۔ مخلوق سے کوئی چیز غائب ہے تو اسباب

کے ذریعے اسکا علم حاصل کر سکتا ہے اور وہ بھی اللہ کی مشیت

اور ارادے کے ماتحت۔

نبی بھی علم تک رسائی کے لئے اسباب کا محتاج ہے۔ ان اسباب میں وحی اور معجزہ بھی شامل ہے۔ لیکن یہ وحی اور معجزہ نبی کے مجازی اختیار میں بھی نہیں ہوتا کہ جب چاہے وحی اور معجزہ کا استعمال کرکے کسی بھی علم تک رسائی حاصل کرے بلکہ اللّٰہ بعض غیبی علم کا وحی اور معجزہ کے ذریعے خبر دیتا ہے۔ اس لئے علم غیبی کلی غیر اللّٰہ کو ثابت کرنا شرک ہے۔

اسی طرح اسباب کے دائرے میں مخلوق سے ڈرنا شرک نہیں ہے۔ مافوق الاسباب ڈرنا شرک ہے۔

اسی طرح نفع و نقصان پہنچانے میں مخلوق اسباب کا

محتاج ہوتا ہے اور وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادے کے ماتحت،

اگر اللہ چاہے تو مخلوق ماتحت الاسباب نفع و نقصان پہنچا

سکتا ہے جو کہ تیسرے زاویے میں بتایا جائے گا۔

تیسرا زاویہ:

غیراللہ کو ایسے مستقل اختیارات اور صفات دینا جس میں

اللہ کے ارادے اور مشیت کا کوئی دخل نہیں ہوتا شرک ہے ۔

جیسے بادشاہ کسی کو وزیر بناتا ہے اور کہتا ہے جو چاہے کرو میرا

تمھارے اختیارات میں کوئی دخل نہیں ۔

اس میں شفاعت قہری بھی شامل ہے۔ شفاعت قہری یہ ہے

اللہ غیر اللہ کی شفاعت سے مجبور ہو کر کام کرتا ہے ۔ جیسے

عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ اللہ ہماری سنتا (قبول) نہیں اور

عیسیٰ علیہ السلام کی رد نہیں کرتا ہم عیسیٰ کو کہیں گے اور

عیسیٰ علیہ السلام ہمارا کام اللہ پہ کرواتا ہے کیونکہ عیسیٰ

علیہ السلام اللہ کے بیٹے جیسا ہے اور اپنے یا بیٹے کی کوئی بات

ٹال نہیں سکتا اس طرح اللہ بھی عیسیٰ کی بات نہیں ٹال

سکتا۔ یہ شفاعت قہری بھی شرک ہے جو کہ سورہ اخلاص میں

اس کی نفی کی گئی ہے۔

اس تیسرے قسم کے شرک میں مساوات ضروری نہیں ہے کہ

غیر اللہ کو اس طرح 100% اختیارات دی جائے تو

شرک ہے اور اگر محدود اختیارات دی جائے تو شرک نہیں، یہ

صحیح نہیں ہے۔ اللہ کی مشیت اور ارادے کا دخل نہ ہونا

شرک ہے چاہے اختیارات کل ہو یا محدود۔ (100%

اختیارات یعنی مختار کل یا کامل صفات بہر حال شرک ہے

پہلے زاویے کے مطابق۔ یہ" چاہے اختیارات کل

ہو "میں نے مبالغۃ ذہن بنانے کے لئے کہا تاکہ تیسرا

زاویہ سمجھ میں آ سکے

اسباب کے دائرے میں دلیل بدیہی کے ساتھ مخلوق سے حاجت طلب کرتے ہوئے یہ نظریہ ضرور ہو کہ اللّٰہ کی مشیت ہو تو ہی مخلوق مدد کر سکے گا۔۔ ورنہ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُونِ للہ کے زمرے میں آئے گا جسے کفر و شرک کہا گیاہے ۔

پیناڈول (دوائی) کے بارے میں اگر مذکورہ مفہوم پایا جائے تو شرک ہے۔ کہ اگر اس کو موثر بالذات سمجھے کہ اس میں اثر خود بخود پیدا ہوا یا اللّٰہ نے اثر پیدا کیا لیکن اب اللّٰہ کے ارادے اور مشیت کا کوئی دخل نہیں، ہر وقت موثر ہے چاہے اللّٰہ چاہے یا نہ چاہے، شرک ہے۔

اگر یہ مذکورہ شرک والا نظریہ نہ ہو اور دلیل بدیہی بھی

موجود ہو کہ معتبر ڈاکٹر نے کہا ہو کہ اللّٰہ اس میں جب چاہے

شفا ڈال دے یا روک دے تو یہ جائز ہے۔ (ہر کام سے پہلے بسم

اللّٰہ پڑھنے میں نظریہ یہی ہوتا ہے کہ اللّٰہ کی مدد شامل حال رہی

تو ہی کام بنے گا)۔

اگر دلیل موجود نہ ہو تو بدعت کہلائے گا۔ جو چیز غیب میں

سے ہے اس کے لئے دلیل کا مصدر قرآن اور صحیح احادیث ہے۔

اگر کوئی نبی کریم ﷺ یا ولی کے بارے میں مذکورہ

3 مفہوم میں ایک مفہوم کا بھی عقیدہ رکھے تو شرک

ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ نبی یا ولی کو اللّٰہ نے ایسے محدود

اختیارات دئیے ہے جو اللہ کی مشیت اور ارادے کے ماتحت ہے اور

اسباب کے دائرے میں ہے جس سے وہ اپنے محدود اختیارات

میں زندوں کی مدد کرتا ہے اللہ کی مشیت اور ارادے کے

ماتحت تو شرک نہیں ہے لیکن یہ چونکہ غیبی مسئلہ ہے اسلئے

قرآن و صحیح حدیث میں دلیل پیش کرنا ہو گا۔ بلا دلیل

عمل بدعت کے زمرے میں آتا ہے ۔

حدیث میں ہے مفہوم : جس نے جان بوجھ کر نبی ﷺ

پر جھوٹ باندھا تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے ۔

اور سورہ احکاف آیت **5** میں اللہ فرماتا ہے کہ قبر

سٹیج یا برزخ زندگی میں رہنے والے زندوں کی پکار سے قیامت

تک غافل ہے...

اور قبر سٹیج میں رہنے والے بھی سننے میں اسباب کے محتاج ہے۔

قبر سٹیج میں رہنے والے بھی غیبی علم تک رسائی کے لئے اسباب

کے محتاج ہے۔

لہذا قبر سٹیج میں رہنے والے کو مذکورہ بالا شرک کے

مفہوم سے خالی پکارنا بھی صریح جہالت ہے۔ یہ شرک تو نہیں

لیکن قرآن کی آیات کے ساتھ ٹھکراؤ کی وجہ سے کفر کا خطرہ

ہے۔

توسل یعنی بحق فلاں مجھے بخش دے وغیرہ بھی اگر مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ کیا جائے تو شرک ہے ورنہ نہیں۔ پھر جائز اور ناجائز میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر کسی عمل اور نظریہ میں مذکورہ بالا 3 مفہوم میں ایک مفہوم بھی پایا جائے تو شرک ہے ورنہ یا بدعت اور حرام ہوگا یا جائز ہوگا، قرآن و حدیث اور دلیل بدیہی میں دیکھنا ہوگا۔

عبادت : انتہائی درجے کے عاجزی اور بے بسی کے

اظہار کو عبادت کہتے ہیں۔ یہ عبادت نتیجہ ہے مذکورہ

3 مفہوم کا۔ یعنی یہ ظاہر ہو گیا کہ اللّٰہ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں۔ اس لئے بعض اہل علم عبادت میں

وحدانیت کو توحید میں الگ قسم شمار نہیں کرتے کیونکہ

عبادت میں وحدانیت یعنی توحید فی الوہیت یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مذکورہ بالا مفہوم کا نتیجہ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ توحید فی الذات

والصفات والافعال کا نتیجہ ہے یعنی اکیلے اللّٰہ الہ اس لئے ہے کہ

اس کی ذات اور صفات اور افعال کامل ہے اور ان میں کوئی

کمی اور نقصان نہیں ہے۔ اور اللّٰہ اکیلا مافوق الاسباب

متصرف ہے اور مافوق الاسباب صفات پہ موصوف ہے۔ اور اللّٰہ

اکیلا ایسی ذات ہے جو اپنے مشیت اور ارادے میں مکمل طور

پر آزاد ہے۔ اور اپنی مشیت اور ارادے میں کمزور نہیں ہو جاتا

کہ کسی کی سفارش اور شفاعت سے مجبور ہو جائے۔ تو اس کا

لازم نتیجہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہوا۔

مثلاً ہم اگر انسان سے مدد طلب کرنا چاہے تو اگر وہ نہ کرے

تو کسی اور سے طلب کریں گے یا اس کو سفارش سے مجبور

کریں گے یعنی ہمارے پاس ہتھیار اور راستے ہیں اور انسان

اللّٰہ کی مشیت کے بغیر مدد کر بھی نہیں سکتا ہے لہذا ہم

انسان کے مجازی طور پر معمولی درجے کے محتاج ہے۔ لیکن

اللہ کے سامنے انتہائی درجے اور حقیقی معنوں میں عاجز اور

بے بس ہے کہ جب اللہ کوئی چیز روکے تو پوری مخلوق ایک ہو

جائے تب بھی نہیں دے سکتے۔ اور اللہ کو عاجز اور مجبور

کرنے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اللہ محض اپنے فضل و

رحمت سے نیکی اور دعائیں قبول کرتا ہے اور یہ اللہ کا ہم پر

احسان ہے۔ یہ حقیقت سورج کی روشنی کی طرح واضح ہو گیا

کہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یعنی انتہائی

درجے کی عاجزی اور انکساری کے اظہار کا اکیلا مستحق ہے کہ

اکیلے اللہ کے سامنے ہی عبادت کی جائے۔ اللہ کا بھی یہی مطالبہ

ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کریں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اظہار

کریں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے اظہار کے طریقے فرشتے کے ذریعے انبیاء علیہم

السلام پر کتابوں میں نازل کئے ہے۔

اللّٰہ کو عبادت کا ہر طریقہ منظور نہیں کیونکہ حاکم صرف

اللّٰہ ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی غیر اللّٰہ کے لئے مذکورہ بالا

مفہوم کے ساتھ زمین میں رول کریں تو شرک ہے اگر

چہ اللّٰہ کو ایسا کرنے سے ثواب نہیں ملے گا کیونکہ یہ

شرعی طریقہ نہیں ہے لیکن غیر اللہ کے لئے مذکورہ اعتقاد کے

ساتھ کئے جانے کی وجہ سے شرک تصور کیا جاتا ہے ۔

ہر وہ عمل اور نظریہ جس میں مذکورہ بالا مفہوم پایا جائے

تو عبادت ہے ورنہ عبادت کا ظاہری ڈھانچہ جیسے کہ سجدہ میں

مذکورہ بالا مفہوم میں ایک مفہوم یعنی عبادت کا مستحق

ماننے کا مفہوم پایا جائے تو یہ سجدہ عبادت کا سجدہ کہلائے

گا اور اگر مذکورہ تین میں ایک بھی مفہوم نہ پایا جائے تو یہ

سجدہ عبادت کا سجدہ نہیں کہلائے گا اور شرک نہیں ہوگا۔

پچھلی شریعتوں میں تعظیم اور احترام کا ایسا سجدہ جس

میں مذکورہ بالا مفہوم نہ پایا جاتا ہو مخلوق کے لئے جائز تھا

جیسے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو کیا تھا ، یوسف علیہ

السلام کے بھائیوں نے یوسف کو سجدہ کیا تھا یہ تعظیم اور

احترام کا سجدہ ہماری شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح غیر اللہ کی قسم اگر مذکورہ 3 مفہوم

میں کسی ایک مفہوم کے ساتھ کھا لیا تو شرک ہے ورنہ

نہیں۔

اسی طرح تعویذ، تمیمہ، انگوٹھی مذکورہ بالا 3

مفہوم میں ایک مفہوم کے ساتھ بھی لٹکائے اور پہنے تو شرک ہے

ورنہ نہیں۔

بعض احادیث میں غیر اللہ کی قسم، تمیمہ لٹکانا وغیرہ کو

شرک قرار دیا گیا ہے۔ اہل علم اس کا جواب یہ کرتے ہیں کہ

اکثر لوگ مذکورہ بالا شرک کے مفہوم کے ساتھ یہ عمل کرتے

ہیں، اس وجہ سے شرک قرار دیا گیا ہے اور دوسری وجہ احتیاط

کی بنا پر ہے کہ یہ شرک کے اڈے ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ

ورنہ العیاذ باللہ عنقریب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر

مذکورہ بالا مفہوم موجود نہ ہو تو شرک نہیں۔

حاصل یہ کہ اپنے عمل اور عقیدہ کو مذکورہ بالا

3مفہوم کے ساتھ چیک کیا کرے۔ یعنی ہر عمل میں

مناط شرک دیکھئیے۔

لفظ عبادت میں یہ بھی ہے خود کو اللہ کے حوالے کرنا ہے کہ اللّٰہ

جو قوانین بنائے گے وہ حق اور مناسب ہوں گے اور حقیقی موثر

ہوں گے ۔ باقی تمام قوانین باطل ہے ۔ یعنی توحید فی

الحاکمیت عبادت کا ہی حصہ ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

• لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور عبادت میں فرق

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور عبادت میں فرق یہ ہے کہ مشرکین

بھی اللّٰہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن غیر اللہ سے عبادت نفی

نہیں کرتے غیر اللّٰہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

جبکہ

لَآ اِلٰہَ میں غیر اللّٰہ سے عبادت نفی کی جاتی ہے اور اِلَّا اللہ میں

خاص اللّٰہ کے لئے ثابت کی جاتی ہے ۔ یعنی مومن مسلمان

عبادت میں اللّٰہ کو خاص کرتا ہے۔

اصل میں عبادت صرف ایک ہی کی ممکن ہے کیونکہ عبادت

کی تعریف ہی ایسی ہے ۔ انتہائی درجے کے عاجزی اور بے بسی

کے اظہار کا نام عبادت ہے کہ مخلوق کے پاس گھٹنے ٹیکنے کے

علاوہ کوئی آپشن نہیں ہوتا ..

بالفرض و تقدیر اگر دو یا دو سے زیادہ کی عبادت ممکن ہوتی تو

پھر ہم مخلوق کسی کے بھی انتہائی درجے کے محتاج نہ ہوتے

کہ ایک زات ہماری ضرورت پوری نہ کرتا تو ہم کسی اور سے

مانگتے..

مثلاً اگر اللہ ہماری ضرورت پوری نہ کرتا تو ہم کسی نبی یا

ولی سے مانگ لیتے اس طرح ہم اللہ کے سامنے انتہائی درجے کے

عاجز نہ ہوئے کیونکہ ہمارے پاس آپشن ہے۔۔ اور یوں ہم

کسی کی عبادت نہ کرتے جو کہ محال ہے کیونکہ مخلوق کی

فطرت میں ہی عاجزی ہے۔ اور اللّٰہ کے ہم انتہائی درجے کے

محتاج ہے ۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور وفکر کر کے

اس کو معلوم کیا جا سکتا ہے

اس لئے انبیاء علیہم السلام قرآن میں یوں ترغیب دیتے کہ اللّٰہ

کی عبادت کرو۔۔

یہ نہیں کہتے کہ اکیلے اللّٰہ کی عبادت کرو کیونکہ جب اللّٰہ

کی عبادت کا کہا جائے تو خودبخود دوسروں سے عبادت منفی ہو

جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی فضیلت:

قرآن میں ارشاد ہے مفہوم : کہ میں نے جن و انس کو اپنی

عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی جن و انس لا الہ الااللہ کا اظہار

کرتا رہے۔

ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد ہے مفہوم : یہ زمین و

آسمان اس لئے پیدا کئے تاکہ انسان اس میں سوچ و فکر کرکے

اس نتیجے پر پہنچے کہ اللہ کامل علم اور کامل قدرت والا

ہے .

لہٰذا زمین اور آسمان کی پیدائش کا مقصد یہ ہوا کہ انسان اللہ

کے کامل صفات کو اس قدر پہنچان لے کہ اس معرفت الٰہی کے

ذریعے عبادت کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے

کہ اللہ

کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● دعویٰ توحید:

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْر۔

دعوی: ُ

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ دعویٰ ہے اور باقی کلمات اس دعوے کے لئے دلائل ہے کہ کیوں اللّٰہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

دلائل:

وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہ :

اپنی ذات اور صفات اور افعال میں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک

نہیں ۔ اس کا مثل اور نظیر کوئی نہیں۔

ظاہر ہے جب اللہ کا کوئی مثل اور مشابہ نہیں ہے تو اللہ

کی حقیقت کو مخلوق نہیں پہچان سکتا ہے کیونکہ آنکھوں سے

غائب چیز کو ہم مشابہت سے پہچان سکتے ہیں۔۔۔ ہماری

تصور میں جس قدر اللہ آتا ہے اس سے اللہ پاک ہے اور اس سے

بہت اعلیٰ اور برتر ہے۔ ہم اس قدر معرفت الٰہی کے حصول پر

مکلف ہے کہ اپنی تحقیق پہ عبادت کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے

اس نتیجے پر پہنچے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

ہے اور اللہ کو اتنی معرفت الٰہی منظور ہے۔ کیونکہ ہم اپنی

استطاعت کے مطابق مکلف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لَهُ الْمُلْكُ: ◌ُ

حقیقی مالک ہے ۔ اپنی ملکیت میں مکمل طور پر آزاد ہے۔

مخلوق کی ملکیت آزاد نہیں ہے اللہ کی مشیت اور ارادے کے

ماتحت ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ: ◌ُ

اللہ کے لئے کامل اور مکمل تعریفیں ہے جن میں زرہ بر کمی

نہیں ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر۔

کامل قدرت والا ہے ۔ اللہ کے قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں

ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **شریعت کا موضوع**

جیسے چاقو ایک لفظ ہے جسے وضع اور مقرر کیا گیا ہے دستہ اور

پھل کے لئے جس سے کاٹا جاتا ہے۔ یعنی جیسے ہی ہم چاقو کا

لفظ سنتے ہے تو فوراً اس کا دستہ اور پھل ہماری سمجھ میں آتا

ہے۔ ایسے ہی شریعت ایک لفظ ہے جسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے لئے وضع

کیا گیا ہے

یعنی شریعت کا موضوع لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے اظہار کا طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ پر

نازل کیا گیا ہے۔

اظہار کا مطلب یہ کہ نماز، روزہ وغیرہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے اظہار

کے طریقے ہیں۔

اجمالی ایمان میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ شریعت محمدی کی

تصدیق کی جاتی ہے تو اس کا مذکورہ مفہوم کے مطابق یہ

خلاصہ ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ" کی تصدیق کی

جاتی ہے ۔

یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ شریعت کا موضوع ہو گیا اور محمد رسول اللہ

اس موضوع کے اظہار کا طریقہ کار۔ یعنی یہ اظہار نبی کریم

ﷺ یا قرآن و حدیث کے طریقے کے مطابق کرنا ہو گا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ توحید فی الذات، والصفات، والافعال کا نتیجہ ہے۔

الہ کا معنی معبود ہے اور معبود وہ ہوتا ہے جو عبادت کا مستحق ہوتا ہے ۔

انتہائی درجے کے عاجزی اور بے بسی کے اظہار کو عبادت کہتے ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

• لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ (توحید) کے لوازمات

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے اظہار کے طریقے انبیاء علیہم السلام پر کتابوں میں فرشتہ کے ذریعے نازل کئے۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ رسولوں، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا لازم ہوا ۔ پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں اللہ کی تربیت اور ربوبیت یعنی رب صفت بھی موجود ہے، اللّٰہ کی تربیت سے کمال پاتا ہے جس کا نتیجہ جنت ہے اور تربیت سے محرومی جہنم ہے جس سے آخرت میں جنت و جہنم کی سچائی کی گواہی (تصدیق) لازم ہوئی۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ چونکہ توحید فی الذات والصفات والافعال کا

نتیجہ ہے اس سے توحید فی الذات والصفات والافعال پر ایمان

لانا لازم ہوا۔ ان صفات میں اللہ کا علم ازلی بھی ہے جس سے

تقدیر پر ایمان لانا لازم ہوا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ توحید کا پیمانہ ہے ۔ کہ اللہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے

کے علاوہ آپشن مل گیا تو سمجھو توحید میں نقصان آگیا ۔

گھنٹے ٹیکنے کے طریقے اللہ نے قرآن و حدیث میں حضرت

محمد ﷺ کے ذریعے سیکھائیں ہیں ۔ خود سے ایجاد کردہ

طریقہ یعنی بدعت اللہ کو منظور نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● اللہ حاکمیت میں اکیلا ہے ۔

اللہ کے حاکم حقیقی سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا حکم اور فیصلہ ہی اٹل ہے کہ امور تکوینی ، شریعت ، حلال و حرام کا فیصلہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ۔ قرآن میں ارشاد ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۞ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حقیقی حکومت نہیں ہے ۔

اگر اللّٰہ کے حرام کردہ عمل کو غیر اللّٰہ کے کہنے پر جان بوجھ

کر یعنی علم یقینی کے ساتھ حلال سمجھ کر کریں تو غیر اللّٰہ

کو اللّٰہ کے حَکَمُ صفت میں شریک کیا یعنی شرک ہے ۔

اور اگر اللّٰہ کے حرام کردہ عمل کو غیر اللّٰہ کے کہنے پر حرمت

کے عقیدے کے ساتھ کیا تو شرک نہیں ہے گناہ ہے۔

غیر اللّٰہ میں اپنے جذبات اور ملک کی حکومت بھی شامل ہے ۔

اگر حکومت سود کے لین دین کو حلال کریں تو آپ بھی حلال

سمجھ کر کریں تو شرک ہے ورنہ گناہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی اصل میں اللہ کا

حکم ہوتا ہے نبی صرف مبلغ ہے کہ اللہ کے احکامات ہم تک

پہنچاتے ہیں ۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ

نبی کی تابعداری اصل میں اللہ کی تابعداری ہے ۔ سورہ النساء

- 80

ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد ہے کہ

نبی دینی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے مگر وحی کے ذریعے ۔

سورہ النجم **4 & 3**

لہذا منکرین حدیث کا دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ حدیث نبی کے

احکامات ہے اور قرآن میں ارشاد ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ اگر ہم

نبی کے احکامات مانیں گے تو نبی کو اللہ کے الحکم صفت میں

شریک کریں گے ۔

تو اللہ کا ارشاد قرآن میں یہی ہے کہ نبی کا حکم اصل میں اللہ

کا حکم ہوتا ہے نبی صرف مبلغ ہے۔

ماں باپ اساتذہ لیڈر اور بڑوں کا جائز حکم ماننا اللہ کے

حکم کی وجہ سے ہے۔ اور اگر ناجائز حکم کو ناجائز سمجھ

کریں تو شرک نہیں ہے گناہ ہے ۔

اصل میں اللہ کی تربیت اور ربوبیت ایسی ہے کہ اللہ دین دار

ماں باپ کے منہ سے تمھارے فائدے کا حکم جاری کرتا ہے تو

یہ اصل میں اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ اور جب ناجائز حکم جاری کرتا ہے تو اس میں آزمائش ہوتی ہے۔

نوٹ: اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے کیونکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔

اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھ کر کرنا اور اللہ کے حرام کردہ کو حرام سمجھ کر کرنے میں فرق اور فائدہ ہے۔ دوسرا عمل گناہ ہے شرک نہیں ہے ۔

توحید اور اسلام مومن کو توابین بناتا ہے ۔ صبح کے گناہ

مٹانے کے لئے شام کے وقت تک نیکی کرتا ہے اور شام کے صبح

کو۔۔۔ مطلب مومن صبح کے گناہ کی وجہ سے شام کو نیکی

کرتا ہے ۔

جب اسے پڑھایا ہوتا کہ صبح کے جو گناہ کئے ہیں وہ گناہ نہیں

تھے۔ تو وہ تو بے فکر ہو جاتا اور شام کو جو نیکیاں کرنے تھے

وہ نہ کرتے۔۔۔ یہی بے فکری فساد کا سبب ہے۔ کیونکہ جو

فساد ہوا وہ مٹایا نہیں گیا ۔

یہی وجہ ہے کہ مومن کو نصیحت ۔۔یاد دلانا۔۔ فائدہ دیتی ہے

۔ کہ جب مومن گناہ میں مصروف ہو اور اس کا خیال نہ ہو کہ

یہ گناہ ہے یا بھول گیا ہوں تو یاد دلانے کی نیت سے حکمت سے

بتائے ۔ اس طرح مومن اپنے گناہ کو یاد کرے گا اور اس کے

بدلے نیکی کرے گا ۔

اگر جان بوجھ کر گناہ کرتا ہو تو پھر یاد دلانا مناسب نہیں ہے

۔ کیونکہ مومن اپنے گناہوں کا حساب کرتا ہے ۔

ہر گناہ پر زور بھی نہیں دیا جاتا کیونکہ انسان فرشتہ نہیں بن

سکتا۔ کب سختی کرنی ہے ، کب نرمی کرنی ہے ، کب خاموشی

اختیار کرنی ہے ، کب غصے کی ایکٹنگ کرنی ہے اس کے لئے

حکمت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن نیت ان سب میں واضح ہے

اور وہ ہے خیرخواہی اور اصلاح ۔ دل کی بھڑاس مقصد نہیں

ہو گا ۔

قرآن و حدیث تحریری شکل میں ہے اس کو ٹھیک ٹھیک

اپلائی کرنے کے لئے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے کہ مثلاً عین

اس وقت کون سا حکم اور عبادت اور ایکشن مجھے یا ہمیں

متوجہ ہے۔ یہ حکمت اللّٰہ کی طرف سے ملتی ہے اور مانگنی پڑتی

ہے ۔ جیسے کہ پانچ وقت میں اھدنا صراط المستقیم مانگتے

ہیں ۔

ہمارے علاقے میں شریعت نافذ کیا گیا تھا جو کہ حکمت سے

بالکل خالی خلیفہ مقرر تھے ۔ لوگوں کو خلافت سے متنفر کیا

۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

اللہ حاکم ہے، ہمارے جذبات نہیں

بچپن سے لے کر مرتے دم تک ہم اپنے ماحول سے کچھ سیکھتے

ہیں جو ہمارے مزاج میں داخل ہو جاتے ہیں اور جذبات بن

جاتے ہیں۔ یہ جذبات ہم سے مختلف مطالبات کرتے ہیں

کچھ صحیح اور کچھ غلط مطالبات کرتے ہیں۔

اور یو بتاتے ہیں کہ حلال اور حرام خود بخود حلال و حرام ہے۔

لیکن اللہ فرماتا ہے کہ حلال وحرام وہ ہے جسے اللہ حرام کرے۔

اللہ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو حکم کیا اپنے بیٹے

اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرے۔

اس میں اللہ نے یہ پیغام دیا کہ اولاد کو قتل کرنا اس لئے حرام

نہیں ہے کہ تمھارے جذبات یہی کہتا ہے بلکہ اس لئے حرام ہے

کہ اللہ نے حرام قرار دیا ہے ۔ جب اللہ نے ابراھیم علیہ السلام

کو حکم کیا تو اس کے لئے حلال ہو گیا۔

اسی طرح عورتوں کا پردہ اس لئے فرض ہے کہ اللّٰہ نے فرض کیا

ہے اس لئے نہیں کہ تمھارے جذبات کا یہی مطالبہ تھا ۔ اور

فرض بھی اس قدر ہے جس قدر اللّٰہ نے فرض کیا ہے ۔

بچپن سے سیکھے گئے جذبات کا مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے

اس میں صحابہ رض سے بھی اجتہادی خطا واقع ہوئی ہے اس سے

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بطور عمل یہ کہنا "اللّٰہ حاکم ہے

ہمارے جذبات نہیں" کتنا مشکل عمل ہے۔ لیکن اسکی

مشق کرنا ضروری ہے ۔ ۔۔مجتہدین کو اجتہادی خطا پر ایک

نیکی بھی لکھی جاتی ہے۔۔ لہذا اجتہادی خطا منسوب کرنے سے

گستاخی واقع نہیں ہوتی۔ اجتہادی خطا پر عمل کرنا مناسب

نہیں ہے۔۔

عرب کے بعض باشندے عورتوں کے معاملے میں پٹھانوں سے

بھی زیادہ سخت، جذباتی شرمیلے اور غیرتی تھے کہ شرم اور

غیرت کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو غصے کی وجہ سے زندا دفن

کرتے تھے۔۔۔ ایسے میں ان جذبات کا یہی مطالبہ تھا ان پر

سر تا پا پردہ فرض کیا جائے ۔۔

لیکن حاکم اللہ ہے اس لئے اپنے جذبات کو سائیڈ میں رکھ کر

قرآن میں اللہ کا فیصلہ تلاش کریں۔

اسی طرح نو سال کی عمر کی لڑکی کے ساتھ شادی اسلئے حرام

نہیں کہ ہمارے جذبات یہی کہتا ہے بلکہ اس لئے حرام ہے کہ

اللّٰہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس ذہن کو، کہ اللّٰہ حاکم ہے، بنانے کے لئے اللّٰہ نے نبی کریم

صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عائشہ رض سے نو سال کی

عمر میں شادی کرے تاکہ دنیا کو یہ پیغام پہنچے کہ حاکم

صرف اللّٰہ ہے۔ (واللہ اعلم(

نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا یہ امتحان ابراھیم علیہ السلام

سے سخت تھا ۔ کیونکہ اہل عرب عورتوں کے معاملے میں

بہت سخت تھے ۔ کفار کو کوئی بہانہ چاہیے تھا آپ ص کو

نقصان پہنچانے کا ۔۔

مسئلہ: ایک آدمی نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا ۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس نے تو گواہی دینی ہی ہے چاہے کس نیت

سے بھی ہو۔ اگر اللہ کی رضا کے لئے گواہی دے دی تو ثواب ملے گا

اور اگر کسی بات کا انتقام لینے کی نیت سے گواہی دے دی تو

جواز کا مرتبہ ہے۔ جائز وہ عمل ہوتا ہے جس کا نہ ثواب ہے اور

نہ گناہ۔

محارب وہ کافر ہوتا ہے جو اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

ایسے کافر کی توبہ اسلام قبول کرنا ہے ورنہ اس کو قتل کیا

جائے گا۔ جہاد کی نیت سے اللہ کی رضا کے لئے قتل کیا تو جہاد

کا ثواب ملے گا اور اگر اپنے جذبات کی وجہ سے قتل کیا تو جواز

کا مرتبہ ہے۔ محارب کافر کی توبہ مرتے دم تک اسلام پر قائم

ہونا ہے، اگر مرتد ہوا تو پھر قتل کیا جائے گا۔ """صرف

محارب مرتد اور مجاہد مرتد کی سزا قتل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۔۔ مجاہد اسلام مرتد بھی اصل میں محارب ہی ہوتا ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم"""

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض محارب کفار کو

اس لئے قتل کیا کہ انہوں نے نبی ص کی شان میں گستاخی کی

تھی یعنی انتقام کی نیت سے ۔ """صرف محارب گستاخِ

رسول کی سزا قتل ہے۔"۔"

نبی ص کبھی کبھار امت کو تعلیم دینے کی نیت سے جائز کام

بھی کرتے تھے اور ساتھ میں استغفار بھی کرتے تھے کیونکہ

جائز کام انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے ۔

اللہ حاکم ہے۔ اللہ نے غیر محارب کافر کا گستاخی رسول ص پر

مومن کو سزا کا اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اللہ خود اس کو سزا

دے گا۔ آگرچہ ہمارے جذبات کا مطالبہ یہ ہے کہ گستاخِ

رسول کے اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائے۔

خوب جان لو جو اللہ کو ہی حاکم سمجھتا ہے وہی آخرت میں

کامیاب ہے۔

اس پوسٹ کا اصل مقصد یہ ہے کہ جتنے بھی بدعات و شرکیات

ہے اسکی ایک ہی وجہ ہے کہ اس بات کا مشق نہیں کیا گیا کہ

اللہ حاکم ہے ہمارے جذبات نہیں ۔

ایک بار اپنے جذبات کو سائیڈ میں رکھ قرآن کا مطالعہ کریں

اللہ آپ کو حق تک پہنچائے گا ۔

تعصب، شخصیت پرستی، باپ دادا کے طریقے، بغض، حسد، ضد و عناد، تکبر، جذباتی غیرت اور شرم، جذباتی محبت اور نفرت، وغیرہ کو سائیڈ میں رکھ کر قرآن کا مطالعہ کریں شریعت کا منشا کیا ہے یہ اللہ واضح کر دے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **اللہ کی بقدر حق معرفت اور عبادت کے اظہار کا طریقہ کار:**

ایک شخص جو جنگل میں پیدا ہوا اور طالب حق ہے ۔

یہ زمین و آسمان کی پیدائش میں سوچ و فکر کرکے اس نتیجے

پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کا وجود ہے۔

پھر زمین و آسمان میں سوچ فکر کرکے اللہ کے صفات مثلاً:

قدرت اور علم میں سوچتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ

اللہ کے صفات کامل اور مکمل ہے ، ذرہ برابر کمی نہیں ہے ۔

اللہ کے صفات جتنے تصور میں آتے ہیں اللہ اس سے بالا اور

برتر ہے، ان صفات پر کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا ۔ تو اس

طالب حق کے ذہن میں سوال یہ آتا ہے کہ کس قدر اللہ کی

معرفت حاصل کرے ۔

اللہ کی صفات میں سوچ و فکر کرکے اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے

کہ ہم مخلوق اللہ کے سامنے انتہائی درجے کے عاجز اور بے بس

ہے۔ یعنی عبادت کا مستحق اللہ ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اب بھی اے طالب حق! تم نے اللہ کی حق

قدر معرفت حاصل نہیں کی ہے اگر تمھارے ذہن میں آتا ہے کہ

انتہائی درجے کی عاجزی اور بے بسی کا اظہار اپنی مرضی سے

کروں۔ ہمیں اللہ کی طرف سے کسی گائیڈنس اور کتاب کی

ضرورت نہیں ۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ

(6:91)

ترجمہ:

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی۔

جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب

وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

چنانچہ یہ عبادت کا اظہار اللہ کی مرضی سے کرنی ہے

الف) کیونکہ (اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ)۔ یعنی حکم تکوینی

اور تشریعی اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ۔ یعنی اللہ کے سوا

کسی کو حقیقی حکومت نہیں ۔ حلال و حرام کا فیصلہ اللہ

کرے گا ۔ اللہ کا فیصلہ ہی اٹل ہے ۔

ب(کیونکہ اللہ کامل علم والا ہے ، حکمت والا اور خبردار

ہے۔ ہم ظاہر دیکھ کر ایک غیر متوازن اور غیر فطری قانون

بنائیں گے جب کہ اللہ ظاہر اور باطن دیکھ کر متوازن اور

فطرت کے مطابق قانون بنائیں گے ۔

اے طالب حق! جب تم اس نتیجے پر پہنچ جاؤ کہ اللہ کے

سامنے انتہائی درجے کے عاجزی اور بے بسی)عبادت(کا

اظہار اللّٰہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہو تب جا کے تم نے اللّٰہ

کی بقدر حق معرفت حاصل کی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## مافوق الاسباب اور ما تحت الاسباب

اللہ تعالٰی کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو الفاظ کی حد تک

بندوں کے لئے ثابت ہوتی ہیں مثلاً اللہ تعالی سمیع، بصیر، علیم

اور متکلم ہیں اور انسان پر بھی ان الفاظ کا اطلاق جائزہے ، ان

جیسی صفات میں مناط شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے مافوق

الاسباب یہ صفات ثابت کی جائیں ، اسی طرح تدبیر و

استمداد وغیرہ مسائل میں بھی ما فوق الاسباب اور ماتحت

الاسباب کی تفصیل ہے کہ ما تحت الاسباب استمداد تو غیر اللہ

سے جائز ہے لیکن اگر اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو قادر مستقل

جان کر مافوق الاسباب استمداد کی جائے تو یہ شرک ہے ،، اس

تفصیل کے متعلق بعض اوقات غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اس کا

ماخذ و مصدر کیا ہے ؟ اور اس تفصیل کی کیا ضرورت ہے؟

چنانچہ علامہ اشرف سیالوی صاحب نے "گلشن توحید

ورسالت" میں کئی مقامات پر اس تفصیل کی تردید فرمائی

اور اس کو لغو قرار دیا، اس لئے اس بات کی وضاحت کرنی

مناسب ہے۔

ما فوق الاسباب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسباب و آلات کے بغیر

کوئی کام کیا جائے اور ماتحت الاسباب سے مقصود یہ ہوتا ہے

کہ اسباب و آلات کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی کام کیا جائے۔

۔۔۔۔ اس قید کی ضرورت ۔۔۔۔

غور کریں تو واضح ہو گا کہ اس قید کی اہمیت و ضرورت کے

لئے کوئی خاص جزئیہ ضروری نہیں ہے بلکہ کئی جگہوں میں

خود مناط شرک کے تحقق کے لئے یہ قید لگانا ضروری ہوتا ہے

مثلاً غیر اللہ سے استعانت کا مسئلہ ہے کہ استعانت و استمداد

کی ایک قسم ایسی ہے جو بالا تفاق غیر اللہ سے کرنا جائز ہے اور

ایک قسم وہ ہے جو اللہ تعالی ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر

اللہ سے ایسی استعانت کرنا شرک ہے، اب مستعان و معین ہو

نا گو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر علی الاطلاق یہ صفت

مخصوصہ نہیں ہے جس کا غیر اللہ کے لئے اثبات جائز نہ ہو

بلکہ وہ تو استعانت کی ایک خاص قسم ہے، گویا استعانت

بالغیر کی دو قسمیں ہوئی : ایک جائز اور دوسری حرام و

موجب شرک، ان دونوں قسموں کی باہمی تمیز وامتیاز کے لئے

یہ تفصیل کی جاتی ہے کہ ایک ما فوق الاسباب استعانت بالغیر

ہے اور ایک ماتحت الاسباب ، تا کہ واضح ہو جائے کہ مطلق

استعانت نکتہ اختصاص نہیں ہے بلکہ استعانت مافوق

الاسباب طور پر ہو مستعان کے متعلق قدرت مستقلہ کا اعتقاد

ہو تو یہ صفت باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جس کا غیر

اللہ کے لئے ثابت ماننا موجب شرک ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جس طرح حضرت متکلمین نے کسب اور خلق

کے درمیان ایک فرق یہ بھی بیان کیا ہے کہ :

إن الکسب واقع بألة والخلق لا بألة) ۔شرح العقائد مع

النبراس ، ص .)

ترجمہ : کسب بذریعہ لٰہ واقع ہوتا ہے اور خلق بغیر کسی الہ

کے۔

"شرح فقہ اکبر میں ہے:

الحاصل أنّ الفرق بين الكسب والخلق هو أن الكسب أمر لا

يستقل به الكاسب والخلق أمر مستقل به الخالق .

(" شرح الفقه الأكبر، ص .)

ترجمہ : کسب اور خلق میں فرق یہ ہے کہ کسب میں کاسب

مستقل نہیں ہوتا جبکہ خلق میں خالق مستقل ہوتا ہے کسی

اور کا محتاج نہیں ہوتا۔

کسب کا تعلق انسان کے ساتھ ہے اور خلق کا اللہ تعالی کے ساتھ

، افعال عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کاسب خود حضرت

انسان ہے ، ان دونوں کے درمیان حد فاصل یہ ہے کہ کسب میں

اسباب و آلات کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بندگان کے ساتھ متعلق

ہے کیونکہ وہی اسباب کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ خلق میں

اسباب کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالی صمد و غنی ہے ،

وہ اسباب و آلات کا ہر گز محتاج نہیں ہے، یوں ہی اسباب کے

دائرہ میں رہتے ہوئے سماع ور رؤیت اور اعانت کرنے کی صفت

حضرت انسان کی ہے اور بغیر اسباب کے ہر کسی کی آواز سننا ،

تمام مخلوقات کی حرکات و سکنات دیکھنا اور چاہے تو ہر

مخلوق کی اعانت کرنا اللہ تعالی ہی کی صفات ہیں، اسی کو

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مصنف: مفتی عبید الرحمان

کتاب: مسئلہ توحید و شرک

● اللّٰہ کی رضامندی

عمل اور چیزوں میں خودبخود اثر نہیں ہوتا یہ سب اللّٰہ کی

مشیت کے تابع ہے ۔

یہاں تک کہ جنت میں راحت اور جہنم میں تکلیف بھی اللّٰہ

کی مشیت کے ماتحت ہے ۔

کبھی کبھار نرم بستر میں انسان تکلیف میں ہوتا ہے اور کبھی

سخت چٹانوں پر راحت میں ۔

اس لئے ہم اللہ کے محتاج ہے ۔

دنیا کی نعمتیں اللہ کی مشیت کے ماتحت تو ہے لیکن ضروری

نہیں کہ اللہ راضی بھی ہو جبکہ جہنم سے نجات اور جنت میں

دخول اللہ کی رضامندی پہ موقوف ہے ۔

لہذا ہم اللہ کی رضامندی کے انتہائی درجے کے محتاج ہے کہ

جب اللہ راضی نہیں ہوا تو نعوذباللہ انسان ہمیشہ کے لئے

خسارے میں پڑ جائے گا ۔

اس لئے قرآن میں ترغیب دی جاتی ہے کہ اللہ سے مختلف

نیکیوں کو وسیلہ بنا کر صرف فانی نعمتیں نہ مانگنا بلکہ اللہ

کی رضامندی کے ساتھ ساتھ دنیاوی نعمت مانگنا۔

فانی نعمتیں مانگنے کی مذمّت نہیں بلکہ ترغیب بھی دی ہے کہ

جوتے کا تسمہ بھی اللہ سے مانگ لے۔ لیکن جوتے کا تسمہ

ایسے مانگنا کہ اللہ کی رضامندی کا سبب بن جائے ۔

ایک تیر سے دو شکار بھی کئے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً

حلال مال کمائے اس نیت سے کہ اللّٰہ کے فرائض ادا کر سکو۔

اس سے ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے اور اللّٰہ کی رضامندی کا

سبب بھی بن جاتی ہے ۔۔

اس لئے قرآن نے فرمایا جو اللّٰہ کی رضامندی کے لئے عمل کریں

تو اس عمل کے ذریعے دنیا بونس میں دیا جائے گا ۔

اسی طرح نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر یا اسمائے حسنیٰ کو

وسیلہ بنا کر اس نیت سے کوئی نعمت مانگنا کہ اللّٰہ دعاؤں

سے راضی ہوتا ہے ۔۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ جہنم سے نجات اور جنت کی خاطر

نیک عمل کرنا اصل میں اللہ کی رضامندی کے لئے عمل کرنا

ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- مومن کے گناہ کا صورتحال

انسان جب اس نیت اور نظریہ سے کسی نعمت کے حصول کی

کوشش کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی مل سکتا ہے تو

شرک ہے چاہے یہ انسان نعمت کو نیکی میں ہی تلاش کر رہا

ہو۔۔ ""حالت شرک میں نیکی کا بدلہ اس دنیا میں ملتا ہے

۔ بدلے کی مختلف صورتیں ہوتی ہے جن میں ایمان بھی ہے""""

جب انسان اس نیت اور نظریہ سے حاصل کر رہا ہو کہ اللہ کی

مشیت سے ہی ملے گا تو شرک نہیں ہے چاہے یہ گناہ میں ہی

تلاش کر رہا ہو۔

مومن کے گناہ کا یہی صورتحال ہوتا ہے ۔

کسی نعمت کے حصول میں اللہ کی طرف سے دو راستے ہوتے ہیں

جائز اور ناجائز۔ اور دونوں راستوں میں اللہ ہی نعمت دیتا ہے

۔

لیکن نعمت کے بدلے نیکی کاٹی جاتی ہے ۔ جائز کام میں نیکی تو

کاٹی جاتی ہے لیکن ساتھ میں جائز کام پہ اللہ مزید اجر اور نیکی

عطا کرتا ہے اور جائز کام میں خیر ہوتا ہے اس جائز کام پر مزید

نیکی کی توفیق ملتی ہے جبکہ ناجائز کام میں نعمت کے حصول

پر نیکی تو جاتی ہے ساتھ میں مزید ملتی بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ

ناجائز کام پر اجر اور نیکی نہیں دیتا اور مزید گناہوں کی طرف

میلان بڑھ جاتا ہے جو کہ نقصان کی بات ہے۔ اگر نیکی مل جاتی

تو بھی نقصان کی بات نہ ہوتی اس لئے کہا گیا ہے کہ گناہ کے فوراً

بعد نیکی کیا کریں تاکہ نقصان کا ازالہ ہو سکے۔ اور مزید

گناہوں کی طرف میلان کا ازالہ بھی ہو سکے۔

نیکی کے بدلے نعمت دنیا میں ملنا بھی ایک قسم کا خسارا ہے

کیونکہ دنیا کا بدلہ فانی ہے اور آخرت کا لازوال ۔ اس لئے عمر

رض نے فرمایا کہ میں اپنی نیکیاں اس دنیا میں ختم نہیں

کرنا چاہتا ۔ کوئی بھی نعمت مل جائے تو شکرانے کے طور پر

نیکی کریں تاکہ اس نعمت کے بدلے جو نیکیاں چلی گئی وہ

واپس آجائیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## تقدیر کا مسئلہ:

اتفاق """غیر متوقع / ناگہانی بات""" ان کے ساتھ ہوتا ہے

جن کے علم اور طاقت میں کمی ہو۔

اور اللّٰہ کا علم اور قدرت کامل ہے۔

مثلاً اللّٰہ نے آگ پیدا کی تو اتفاقاً حرارت اس میں پیدا نہیں

ہوئی اور نہ ہی حرارت کا ٹمپریچر خود بخود مقرر ہو گیا۔

اللّٰہ کے علم میں کمی نہیں ہے اس لئے اللّٰہ کے ہاں اتفاق نہیں

ہوتا بلکہ اللّٰہ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرتا ہے ۔ اسی اندازے کو

تقدیر کہتے ہے ۔ ہمارے علم میں کمی ہے اس لئے ہم بہت سی

چیزوں کے بارے میں نہیں جانتے کہ کس چیز کا کتنا اندازہ

مقرر ہونا چاہیے اسی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ہم تقدیر کو

مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتے ۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

:[25] وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ.

ترجمہ : ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق چل

رہی ہے کبھی فضل و کرم کے ساتھ اور کبھی قانون عدل کے

ساتھ۔)عقیدہ طحاویہ(

اللہ جب کسی چیز کا اندازہ مقرر کرتا ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ

اس کے علاوہ اندازے پر بھی اللہ قادر ہے تو اس کا ہی انتخاب

کیوں کیا۔ اس بارے میں اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے مفہوم:

اللہ سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ اللہ ایسا کیوں کر رہا ہے اور اللہ

سب سے پوچھے گا۔

سورہ آل عمران آیت نمبر 191 میں فرمایا ہے مفہوم:

عقل مند شخص زمین اور آسمان کی پیدائش میں غور وفکر

کرکے کہتا ہے کہ پاک ہے اللہ اس سے اس کو عبث پیدا کیا

ہے۔۔ یعنی اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

● تقدیر کا استعمال:

جس طرح موبائل کے اندر کیا ہو رہا ہے یہ جانے بنا ہی موبائل
کا استعمال کیا جا سکتا ہے اس طرح تقدیر کے اندر کیا ہو رہا
ہے یہ جانے بنا ہی اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔
تقدیر کو اللہ کے بغیر مکمل کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔
مخلوق صرف تقدیر کی ان باتوں پہ رٹا لگائے جو قرآن و
حدیث میں ہے کیونکہ انسانی عقل اس سے عاجز ہے۔ اس لئے

احادیث کے مطابق تقدیر میں بحث و مباحثہ سے منع فرمایا

گیا ہے۔ اس پر اجمالی ایمان لائے کہ ہر اچھی اور بری تقدیر

اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کے علم میں ہے ۔ اللہ نے ہر چیز کا

اندازہ اپنے کامل علم سے کیا ہے مخلوق اس اندازے

)تقدیر(کو پوری طرح اس لئے نہیں سمجھ سکتا کیونکہ

مخلوق کے علم میں کمی ہے۔ ساری خیر اللہ کی طرف سے ہے،

اللہ کی مشیت اور ارادے کے بغیر کچھ ہوتا بھی نہیں ہے اور

انسان اپنے گناہوں کا خود قصوروار بھی ہے ۔ انسان کو گناہ میں

تقدیر کا سہارا لینے کے بجائے اعتراف جرم کریں جیسا کہ آدم

علیہ السلام نے اعتراف جرم کیا تھا حالانکہ اس نے میوہ

بھولے سے کھایا تھا اور بھولنا انسان کی تقدیر میں ہے۔

مصیبت ملنے کے بعد تقدیر کا سہارا لینا درست ہے کیونکہ

احادیث میں سہارا لیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام نے

مصیبت پہ تقدیر کا سہارا لیا جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

کہ آپ علیہ السلام کی وجہ سے انسان جنت سے نکالا گیا یعنی

مصیبت میں رہے۔

اسی طرح تقدیر کا سہارا لے کر تدبیر ترک نہ کریں اور نہ ہی

اپنی تدبیر پہ بھروسہ کرے بلکہ تدبیر اختیار کرکے نتیجہ

اللہ کے حوالے کریں اسی کو توکل بھی کہا گیا ہے۔ یعنی تقدیر

اور تدبیر ساتھ ساتھ۔

ایک روایت میں ہے مفہوم: کہ تم فصل کاشت کر رہے ہو اور

دیکھو کہ سورج مغرب سے طلوع ہوا تب بھی کاشت کریں۔ اس

روایت کا ایک مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے واسطے تدبیر ترک

نہ کریں۔

اسی طرح جب تدبیر اختیار کرکے کامیابی ملے تو الحمداللہ کہہ

کر کامیابی اللہ کو منسوب کریں اس لئے کہ یہی تدبیر دوسرے

بھی اختیار کر چکے لیکن ایک جیسا نتیجہ نہیں نکلتا۔

دوسروں کو کہہ سکتے ہیں کہ میں نے فلاں تدبیر اختیار کی

اور اللہ نے کامیابی عطا کی کہ دوسرے یہی تدبیر اختیار کریں

کہ شائد اللہ انہیں بھی کامیابی عطا کریں۔

اہل علم کہتے ہیں بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے اور بندے

اپنے افعال کو کسب کرتے ہیں۔

جب علاج کے لئے دوائی بطور تدبیر استعمال کریں اور شفا مل

جائے ۔ تو اللہ کو دہریہ کی طرح درمیان سے نکال کر دوائی کی

تعریف کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ بلکہ الحمداللہ کہے اور

الحمداللہ میں تعبیر یہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں تدبیر اختیار

کی اور اللّٰہ نے شفا عطا کیا ۔

جب لوگوں کو بتانا ہو تو یوں کہے کہ میں نے یہ دوائی استعمال

کی اور اللّٰہ نے شفا دے دی ۔اس طرح سے لوگوں کی نظریں اللّٰہ

پر رہے گی۔

اسی طرح علاج کے علاوہ ہر تدبیر کا یہی ماجرا ہے۔

اللّٰہ فرماتا ہے مفہوم:

یہ لوگ مشکل میں خالص مجھے پکارتے ہیں لیکن جب انہیں

مشکل سے نکال دیتا ہوں تو بعض ان میں شرک کرتے ہیں ۔

یہ آیت اگرچہ مشرکین کے بارے میں ہے لیکن مسلمان کو اس آیت کی مشابہت سے بچنا چاہیے کہ حقیقی منعم کو ہی بھول جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

توکل کا ایک غیر اختیاری درجہ

اہل علم کہتے ہیں کہ جائز اسباب کا استعمال کرکے نتیجہ اللہ کے حوالے کرنا توکل کہلاتا ہے۔

میری تحقیق کے مطابق توکل کا ایک اعلیٰ درجہ بھی ہے کہ مقربین، اولیاء اللہ کی توجہ اسباب سے ہٹ کر اللّٰہ کی طرف پوری طرح کامل ہو جاتی ہے لیکن (میری تحقیق کے مطابق یہ توکل کبھی کبھار ہوتا ہے۔ کہ مقربین عبادت (ذکر) میں اس قدر مشغول ہو جاتا ہے کہ توجہ اللّٰہ کی طرف کامل ہو جاتی ہے۔)

واضح رہے کہ عام توکل میں بھی توجہ اللّٰہ ہی کی طرف ہوتی ہے لیکن یہ سوچ کر کہ اللّٰہ اس ظاہری سبب میں خیر وعافیت ڈالے گا۔

جہاد میں فتح کے بعد اللّٰہ نے فرمایا کہ فتح، مدد و نصرت اللّٰہ

ہی کی طرف سے ہے۔ یہ فرشتے اس لئے بھیجے تاکہ مومنین کے

دلوں کو اطمینان پہنچے کہ انسان کی توجہ ظاہری اسباب کی

طرف ہوتی ہے کہ) مومن یہ سوچتا ہے کہ (اللّٰہ اس ظاہری

سبب کے ذریعے مدد کرے گا، جب تک ظاہری مدد نہ دیکھیں

انسان کا دل بے اختیار بے چین رہتا ہے۔

مریم رض کی توجہ جب خالص اللّٰہ کی طرف تھی تو بے موسم

میوے آتے تھے جب حمل ہو گیا تو بے اختیار یعنی فطرتی طور

پر عیسی علیہ السلام کی طرف بھی متوجہ ہوئی اور اللّٰہ سے

کامل توجہ ہٹ گئی تو اللہ نے مریم رض کو کسب کے ذریعے

کجھور دینا شروع کیا ۔ کہ کجھور کی شاخ کو ہلانا ذریعہ

معاش اور کسب بنایا ۔

ابراھیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت اللہ سے

براہ راست مدد مانگی تو اللہ نے آگ سے گرمی ختم کر دی ۔

ایک روایت میں ہے مفہوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک بازو کھایا ، صحابی سے کہا کہ ایک اور دے دو وہ بھی

کھایا ، ایک اور مانگا تو صحابی نے فرمایا قربان! اس میں دو

ہی بازو تو ہوتے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ اگر تم ہاتھ ڈالتے تو اللہ بازو پیدا کرتا۔۔ (نبی ص کی توجہ

اسباب سے ہٹ کر پوری توجہ اللّٰہ کی طرف ہو گئی تھی، صحابی

کے کہنے سے نبی کی توجہ بھی ہٹ گئی)

امام مالک رح اس بات کو نا پسند کرتے تھے کہ اسباب ترک

کیا جائے اور اس کو توکل کہا جائے۔ (کیونکہ اعلیٰ درجے کی

توکل کبھی کبھار اور ذکر میں زیادہ مشغول ہونے کی وجہ سے

بے اختیار ہوتا ہے)

موسیٰ علیہ السلام جب سفر کے لئے نکلے تو سفر کا سامان لے کر

اللّٰہ پر توکل کیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

• جذباتی اور عقلی صفات

سائیڈ ایفیکٹ : (Side effect) اور جذبات جو دل میں محسوس ہوتی ہے :

سائیڈ ایفیکٹ نقصان کو نہیں کہا جاتا بلکہ ہم کسی چیز کا استعمال یا کوئی عمل کسی اور چیز کے لئے کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھار کوئی اور چیز بھی بطور سائیڈ ایفیکٹ پیدا ہو جاتی ہے ۔

یہ سائیڈ ایفیکٹ کبھی شدت سے محسوس ہوتی ہے تو کبھی

محسوس ہی نہیں ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے قرآن و حدیث میں محبت ، نفرت ، غصہ،

وغیرہ کا مطالبہ عقلی ہوتا ہے اور ان (محبت ، نفرت ،

وغیرہ) کے تقاضے اللہ نے مقرر کئے ہے ۔ ان تقاضوں کو جب

عقلی طور پر اپنایا جاتا ہے تو کبھی کبھار بطور سائیڈ ایفیکٹ

دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں ۔

اس لحاظ سے جذبات عقل سے شروع ہوتی ہے اور مزاج میں

داخل ہو جاتی ہے ۔

مثلاً: اللّٰہ سے محبت کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ اللّٰہ کی تابعداری

کو حق سمجھ کر اللّٰہ کے لئے کی جائے ۔

اس عقلی تابعداری سے کبھی کبھار دل میں بھی محبت پیدا ہو

جاتی ہے ۔ کبھی شدت اختیار کرتی ہے اور کبھی محسوس ہی نہیں

ہوتی ۔

اسی طرح تقویٰ کا مطالبہ عقلی ہے اور تقاضا یہ ہے کہ اللّٰہ کی

تابعداری حق سمجھ کر کریں ۔ اس عقلی تقویٰ کی وجہ سے

بھی کبھی کبھار دل میں شدت سے خوف محسوس ہوتا ہے اور

کبھی کبھار محسوس ہی نہیں ہوتا ۔

اسی طرح اللّٰہ سے امید بھی عقلی ہے اور تقاضا یہ ہے کہ نیک

عمل اور دعائیں کرتے رہے ۔ اس نیت سے ہرگز نیکی اور

دعائیں ترک نہ کریں کہ قبول نہیں ہوتی ہے ورنہ عقلی اور

اختیاری ناامیدی کے زمرے آتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے محبت کا مطالبہ بھی عقلی ہے۔ آپ ﷺ

سے محبت کے تقاضے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ

کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز سمجھا جائے ۔ اللہ

کی خوشنودی کے لئے ان کے درجات کی بلندی کے لئے ان پر درود و

سلام بھیجا جائے اور ان کا ذکر خیر اور عزت و احترام کے

ساتھ کیا جائے اور اس نیت پر بھی نیکی کیا کریں کہ تمھاری

نیکی آپ ﷺ کے عمل نامے میں لکھ دیا جائے گا جن سے

آپ ﷺ کو خیر ملے گا یہ خیر خواہی عقلی محبت ہے ۔ اس

عقلی محبت سے کبھی کبھار جذباتی محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے

۔

لیکن یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھا کریں کہ جذباتی محبت ،

نفرت ، وغیرہ آزمائش اور امتحان ہے یہ نہ ثواب کا کام ہے اور

نہ گناہ ۔ مثلاً امتحان کچھ یوں ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کو بڑھا

چڑھا کر پیش تو نہیں کرتے۔ آپ ﷺ کی محبت کی خاطر

خود سے کوئی قانون شرعی تو نہیں بناتے۔

ایک صحابی رضؓ فرماتے ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ سے

(دل میں) شدید محبت ہے اور خیبر کے یہودیوں سے (دل

میں) نفرت ہے لیکن میں نہ نبی کی محبت اور نہ ہی یہودیوں

سے نفرت کی وجہ سے بے انصافی کا فیصلہ کروں گا۔

البتہ ان جذبات کا فائدہ بھی ہوتا ہے مثلاً عقلی تقویٰ کی وجہ سے

دل میں جب خوف الٰہی محسوس ہو جائے تو مومن کو اپنے

گناہوں پر رونا آسان ہو جاتا ہے۔

شیطان بھی اللہ سے ڈرتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے ۔ اور

جنگ میں اللہ کی مدد دیکھ کر شیطان ڈر کے مارے بھاگ گیا

تھا۔ شیطان کا خوف جذباتی اور طبعی ہے۔ جو تقاضے خوف کے

اللہ نے مقرر کئے ہے ان پر عمل نہیں کرتا یعنی عقلی تقویٰ

وغیرہ پر شیطان موصوف نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **صبر اور شکر:**

یوں تو انسان پر اللہ کی طرف سے ہر وقت نعمتیں ہوتی ہے لیکن

انسان کی دو حالتیں ہوتی ہے

1) کبھی بلیسڈ **(blessed)** محسوس کرتا ہے۔

(2 کبھی ان بلیسڈ (unblessed) محسوس کرتا ہے ۔

پہلی حالت میں اللہ کی تابعداری کو شکر کہتے ہے

اور دوسری حالت میں تابعداری کو صبر کہتے ہے ۔

اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں تابعداری کریں یعنی

شکر اور صبر دونوں کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔

بعض اہل علم کہتے ہے کہ عبادت (جذباتی) شوق اور محبت

سے کیا جائے تو ہی عبادت ہے ۔۔حالانکہ شوق سے عبادت شکر

کا پہلو ہے اور اسلام میں جذبات آزمائش ہوتی ہے اور مطالبہ

عقلی محبت وغیرہ کا ہوتا ہے۔ اللّٰہ سے عقلی محبت یہ ہے کہ اللّٰہ

کے احکامات کی تابعداری کی جائے۔ اسی طرح نفرت، خوف

وغیرہ کا بھی عقلی مطالبہ ہے۔ (عقلی محبت وغیرہ کرنے سے

کبھی کبھار دل میں بھی محبت وغیرہ پیدا ہوتی ہے لیکن ہر

وقت نہیں)، اس لئے میری تحقیق کے مطابق بعض اہل علم کو

اجتہادی خطا واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ

الف(قرآن میں ہے مفہوم: مذمت بیان کرتے ہوئے اللّٰہ

فرماتا ہے کہ جب میں انسان کو نعمتیں عطا کرتا ہوں تو وہ

ہنسی خوشی عبادت کرتا ہے۔۔ کہ بس دین میں میں نے پا لیا

۔۔ اور جب مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں عبادت ترک کرتا ہے

۔۔ ایسے شخص کی سوچ دنیا کی نعمتوں میں اٹکی رہتی ہے ۔

ب(ایک اور جگہ قرآن میں بطور مذمت بیان کرتا ہے

مفہوم: جب انسان مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی

تابعداری شروع کرتا ہے جیسے ہی مصیبت ٹل جاتی ہے تو عبادت

ترک کرتا ہے ۔۔۔ ایسے شخص کی سوچ بھی دنیا کی نعمتوں

میں اٹکی رہتی ہے ۔

مومن دونوں حالتوں میں اللہ کی تابعداری کرتا ہے ۔ البتہ

مصیبت میں انبیاء علیہم السلام بھی زیادہ متوجہ ہوتے تھے ۔

لیکن ایسا نہیں تھا کہ راحت میں بالکل اللّٰہ کو بھول ہی

جاتے۔

ج(ایک روایت میں ہے مفہوم: ایک شخص نے نبی کریم

صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اسلام کو ناپسند کرتا ہوں

تو آپ ص نے فرمایا کہ اسلام کو پھر بھی قبول کر اگرچہ

تمھیں پسند نہ ہو ۔۔

اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ پھر تو تمھاری عبادت

قبول نہیں ہوگی ۔

دل کا معاملہ بے اختیار ہوتا ہے اور آزمائش ہوتی ہے۔ انسان کی

خواہش اور پسند جنت جیسی زندگی ہوتی ہے اسلام کو مومن

عقلی طور پر پسند کرتا ہے کہ اسلام ہی کے مطابق زندگی گزار

کر جنت جانا ممکن ہے۔

انسان کا زیادہ تر سامنا صبر سے ہوتا ہے کیونکہ انسان جنت

جیسی زندگی چاہتا ہے۔ لہذا انسان اللہ کی تابعداری پر بھی

صبر کرتا ہے۔ اس لحاظ سے صبر یہ ہے کہ اللہ کی تابعداری پہ

صبر کیا جائے، اللہ کی نافرمانی سے پرہیز پہ صبر کیا جائے۔۔

اور یہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے اس پہ صبر کیا جائے اور

مصیبتوں پہ صبر یہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اللّٰہ کی

تابعداری جاری رکھے۔

صبر اور شکر میں زیادہ اجر صبر سے ملتا ہے ۔ کیونکہ صبر

میں دل پہ پتھر رکھ کر عبادت کیا جاتا ہے ۔ یعنی نفس کے

خلاف جہاد بھی کیا جاتا ہے ۔ اور تکالیف اور تھکاوٹ پہ گناہ

بھی معاف ہوتے ہیں۔

انسان ایک ہی عبادت میں صبر اور شکر دونوں کو جمع کر

سکتا ہے۔

صبر اور شکر ادا کرنے کے طریقوں پر بھی صبر کرنا پڑیگا خود

سے ایجاد کردہ شکر اور صبر کے طریقے اللّٰہ کو منظور نہیں ہے۔

اللّٰہ نے شکر ادا کرنے کا قانون اور طریقہ مقرر کیا ہے ۔

مثلاً

پانی پی کر الحمد للّٰہ پڑھنا ، اللّٰہ کا شکر ادا کرنے کا ایک

طریقہ ہے ۔

لیکن جب اللہ تعالٰی انسان کو تمھاری مدد کرنے کا ذریعہ

بنائے تو اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس انسان کے

احسان کا بدلہ چکائے اور اگر طاقت نہیں ہے چکانے کا تو اتنی

دعائیں دے کہ تمہارا دل مطمئن ہو جائے کہ بدلہ چکا دیا ۔ تو

گویا تم نے اللّٰہ کا شکر ادا کیا ۔

حدیث مفہوم ہے کہ جب انسان اللّٰہ کے بندوں کا شکر ادا نہیں

کرتا تو اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

بندوں کا شکر ادا کرنا اللّٰہ کے حکم کی وجہ سے کریں اور

طریقہ قرآن و حدیث کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ بندوں کا

شکر ادا کرنے کے کچھ طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

(1 اپنی استطاعت کے مطابق تم بھی آج کل پرسوں اس

احسان کو یاد کرکے احسان کریں۔

(2 اگر احسان نہیں چکا سکتے تو اس قدر دعائیں کریں کہ تمھارا دل مطمئن ہو جائے کہ بدلہ چکا دیا ہے۔

(3 اس کا ذکر خیر کرنا۔

مثلاً محمد بن قاسم رح کے ذریعے اللہ نے ہندوستان میں اسلام پھیلایا تو اس کو دعائیں کرنا۔ اور ذکر خیر کرنا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعے ہم تک اللہ نے اسلام پہنچایا ہے لہٰذا قرآن و حدیث کے مطابق ان کا شکر ادا کرنا۔ خود سے ایجاد کردہ شکر کے طریقے اللہ کو منظور نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ سے ناامیدی

ناامیدی دو طرح کی ہے

1) بے اختیار یا جذباتی ناامیدی جو دل میں محسوس ہوتی ہے یہ وساوس کے قبیل سے ہے

2) اور دوسری اختیاری ناامیدی ہے۔

جو ناامیدی بے اختیار ہوتی ہے کہ دل میں وساوس آتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد نہیں کرے گا ، اللہ ہماری نیکیاں قبول نہیں

کرے گا اللہ ہماری دعائیں قبول نہیں کرے گا، اللہ ہمیں

نہیں بخشے گا وغیرہ اس پہ اللہ کی طرف پکڑ نہیں ہے کیونکہ

یہ بے اختیار آتے ہیں اور قرآن میں ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنی

استطاعت کے مطابق مکلف ہے۔ البتہ ان وساوس اور جذبات

کے مطالبات ہوتے ہیں ان پر عمل نہ کرے۔

ایک ناامیدی اختیاری ہوتی ہے کہ جذباتی ناامیدی مطالبات

کرتے ہیں کہ نیک عمل نہ کرے وغیرہ ۔ اگر نیک عمل اس

نیت پہ ترک کیا کہ اللہ قبول نہیں کرتا تو یہ ناامیدی چونکہ

اختیاری ہے اس لئے اس پہ پکڑ ہے اور اہل علم کے نزدیک گناہ

کبیرہ ہے ، قرآن میں اس ناامیدی کو کافروں کا خو اور خصلت

قرار دیا ہے ۔

اسی طرح دعائیں اور مغفرت مانگنے کو اس نیت سے چھوڑنا کہ

اللہ ویسے بھی قبول نہیں کرتا اختیاری ناامیدی کے زمرے

میں آتا ہے ۔

اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ جو دعا مانگنے سے اعراض کرے گا

اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

دعا مانگنے کے دو طریقے ہیں ایک اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں

پیش کرکے) مثلاً یااللہ ، یا الرحمن (اور دوسرا نیک عمل

کو وسیلہ میں پیش کرکے) مثلاً نماز، روزہ، خدمت خلق

وغیرہ کو وسیلہ میں پیش کرکے حاجت طلب کرنا (

دعا ہی اصل عبادت ہے یعنی عبادت کا مفہوم اسی دعا میں ہے کہ

انسان اپنے ہتھیار اللہ کے سامنے پھینک دیتا ہے اور اپنی انتہائی

درجے کے بے بسی کا اظہار کرتا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- مسئلہ: اللہ کے صفات اللہ کی شان کے مناسب ہے جو ہماری تصور سے باہر ہے ۔

بعض علماء نے اللہ کے بارے میں دو قاعدے بیان کئے ہیں اور

دونوں مرجوح ہے ۔

قاعدے:

1) جہاں صفت ہو وہاں ذات لازماً ہوگی۔

2) جو چیز مخلوق میں ہے اس کو اللہ سے نفی کیا جائے گا ۔

مرجوح ہونے کی وجوہات:

1) ایک شخص اپنے کمرے میں ٹی وی پر نیوز دیکھتا ہے

جو لندن میں ہے تو یہ شخص ذات کے اعتبار سے اپنے کمرے

میں ہے اور علم کے اعتبار سے لندن میں ۔

لہزا صحیح علم یہ ہے اللہ علم کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے

جبکہ اللہ نے ذات کے اعتبار سے عرش پر استوی کیا ہے جیسا

اللہ کی شان کے مناسب استوی ہے۔ ہم اپنے ذہن میں نہ خاکے

بنائیں گے اور نہ اس کی تشریح کریں گے اور نہ یہ استوی

مخلوق کے مشابہ ہے ۔

2) مخلوق میں رحم ہے تو مذکورہ قاعدے کے مطابق اللہ

سے رحم کو نفی کیا جائے گا ۔

لہزا صحیح علم یہ ہے مخلوق کی رحم مخلوق کی شان کے

مناسب ہے جو کہ کم درجے کا رحم ہے اور یہ رحم اللہ کی مشیت

پہ موقوف ہے اور اللہ کا رحم اللہ کی شان کے مناسب ہے جو کہ

کامل اور مکمل ہے۔

اسی طرح اللہ نے قرآن و حدیث میں اپنے لئے ہاتھ، آنکھیں ،

پاؤں وغیرہ ثابت کئے ہیں ۔ ان آیات کی تشریح سلف یوں

کرتے ہیں کہ مثلاً ہاتھ جیسا کہ اللہ کی شان کے مناسب ہے، ہم

اس میں اپنی ذہن میں خاکے نہیں بنائیں گے، اور نہ کیفیت

اور وضاحت بیان کریں گے اور نہ یہ ہاتھ مخلوق کے مشابہ ہے

۔

اسی طرح اللہ کا وجود ہے تو ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ

کی شان کے مناسب اللہ کا وجود ہے ۔ اس بات کو رٹا مار کر

کہتے ہیں بغیر کیفیت جانے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللّٰہ نے جو کچھ اپنے لئے ثابت کیا ہے ہم بھی ثابت کرتے ہیں اور جو نفی کیا ہے ہم بھی نفی کرتے ہیں۔

اللّٰہ کی ذات ہم سے پوشیدہ ہے ہم اس بارے میں خاکے نہیں بنائیں گے۔ اور اللّٰہ کی صفات کے نتائج میں غور وفکر کیا کریں۔ اللّٰہ کی انفرادی صفت پر پیغمبر کا تصور بھی احاطہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس قدر صفت الٰہی کو جان لے کہ عبادت کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے کہ اللّٰہ کے سوا

کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اور یوں شرک سے پاک زندگی

بسر کر سکے۔

نوٹ: عرش پر استواء سے یہ بھی مراد ہے کہ اللّٰہ نے اس نظام

کے اختیارات اپنے پاس رکھے ہیں کسی کو عطا نہیں کئے ہیں ۔

اصل میں یہ نتیجہ ہے اس صفت کا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## قرآن و حدیث

قرآن بھی اللّٰہ کی طرف سے ہے اور جو احادیث نبی کریم ﷺ

سے ثابت ہے وہ بھی اللّٰہ کی طرف سے ہے ۔

احادیث یعنی نبی ص کی مبارک زندگی کی مدد سے قرآن کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

عائشہ رض سے کسی نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کیا تھے ؟ عائشہ رض نے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک نہیں پڑھا جو کچھ قرآن میں ہے وہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق تھے ۔

نبی ﷺ کی زندگی یعنی احادیث قرآن کا عملی نمونہ ہے ۔

اہل علم کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں دو قرآن بھیجے ہے ایک صحیفوں میں موجود ہے اور ایک نبی ﷺ کی مبارک زندگی قرآن کا عملی نمونہ ہے ۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن پر کیسے عمل کریں ۔ تو اللہ نے فرمایا جیسے نبی ﷺ قرآن پر عمل کرتا ہے ویسے ہی کریں بلا کسی قید اور شرط کے۔ مثلاً اگر بالفرض و تقدیر نبی ﷺ اپنی دینی اجتہاد میں خطا کر چکے تو اس خطا پر بھی اللہ کے حکم کی وجہ سے عمل کرنے پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ مطلق تابعداری کا حکم ہے دین میں۔ (اس میں اور تفصیل بھی ہے یہاں کرنے سے پوسٹ لمبا ہو جائے گا (

)سیکھانے کا بہترین طریقہ عملی طور پر سیکھانا ہے۔ اس لئے اللہ اپنے احکامات عوام کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے عملی طور پر سیکھاتے تھے کہ پیغمبر سے نقل کریں جیسا وہ شریعت پر عمل کرتے ہیں ویسے تم بھی کرو(

دنیاوی امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے مطابق رخصتی دی ہے کہ تمہیں جیسے مناسب لگے ویسے عمل کریں کیونکہ دنیاوی امور میں تم بہتر جانتے ہو۔

)دنیاوی امور جیسے موبائل بنانا وغیرہ ۔(

لیکن دین میں صحابی کی تابعداری کے ساتھ شرط لگائی گئی ہے

کہ صحابہ مغفور ہے معصوم نہیں ہے لہذا ان کے گناہوں اور

اجتہادی خطا پر عمل نہ کیا جائے ۔

صحابی کی اجتہادی خطا کے بارے میں جب تک ایک شخص

کو علم نہ ہو تو اس شخص کو اس خطا پر عمل کرنے پر بھی

ثواب ملے گا ۔

)میری تحقیق کے مطابق(صحابی کا ایک قول اور فعل تب

تک حجت اور دلیل ہے جب تک انفرادی شخص کو معلوم نہ ہو

کہ یہ خطا ہے۔ جب معلوم ہو جائے تو پھر اجتناب کریں۔

انفرادی شخص سے مراد یہ کہ جس کو معلوم نہ ہو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ دوسروں کو معلوم ہو۔ اور جن کو معلوم ہے وہ اس انفرادی شخص کو گمراہ بھی نہ کہے کیونکہ اللّٰہ اسے اجر دیتا ہے۔ گمراہ تو انسان تب ہوتا ہے جب گناہ لکھا جاتا ہو۔

)مثلاً جس کو رفع الیدین منسوخ لگتا ہے تو اس کو منسوخ پر ثواب ملتا ہے اور جس کو منسوخ نہیں لگتا ہے اس کو رفع الیدین پر ثواب ملتا ہے۔ جب دونوں کو ثواب مل رہا ہے تو گمراہی کی نسبت کرنا جہالت ہے۔ ہمارا مقصد ثواب سے ہے۔

ان دونوں صورتوں میں ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ ضد و عناد

سے کفر کیا ہو)

غیر صحابی کی قول اور فعل پر تب عمل کریں جب تمہیں پتہ

ہو کہ یہ قرآن کی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے ۔ یہ ایک قسم

کی تائید ہے۔

اپنی اجتہاد صحابہ اور تابعین وغیرہ کے ساتھ میچ کریں کہ

کہیں سنگین غلطی نہ کر بیٹھیں ۔

نوٹ: ایک قاعدہ اس پوسٹ کے ساتھ یاد کریں کہ ضِدًّ و عِناداً انکار یہودیت اور عیسائیت سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہمشہ طالب حق رہے اور جب حق واضح ہو جائے تو تسلیم کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- بدعت سے بچنے کا طریقہ

طریقہ کار یہ ہے کہ شریعت (قرآن و حدیث) میں جن فرائض اور نوافل کا وقت اور تعداد مقرر ہے تو مقرر کرنا لازم ہے اور جن نوافل کا وقت اور تعداد مقرر نہیں ہے ان کو اپنے آپ

سے فضیلت کی نیت سے مقرر کرنا بدعت کے زمرے میں آتا ہے

۔

مثلاً:

عام نوافل کی فضیلت ہر وقت ہے۔ اگر کوئی **3pm** کو

نفل اس نیت سے ادا کریں کہ یہ وقت دوسرے اوقات سے

زیادہ فضیلت والا ہے چونکہ یہ حدیث میں نہیں ہے تو بدعت

کے زمرے میں آتا ہے ۔ اور اگر اس نیت سے مقرر کریں کہ

اس وقت فارغ ہوتا ہے کوئی خاص فضیلت نہیں دے رہا ہے تو

پھر جائز ہے ۔

اسی طرح میت کی ایصال ثواب کے لئے صدقہ کسی بھی دن کیا

جا سکتا ہے ۔ تیسرے دن کو دوسرے دنوں پہ فضیلت دینا

چونکہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے اس لئے بدعت کے

زمرے میں آتا ہے۔ اگر اتفاقاً تیسرے دن کر رہا ہے کوئی

خاص فضیلت نہیں دے رہا ہے تو درست ہے ۔

اسی طرح جن احادیث میں ذکر کی تعداد مقرر ہے ان احادیث کو

عمل میں لانے کے لئے تعداد کا لحاظ رکھا کریں ۔

ایک روایت میں ہے مفہوم:

ایک صحابی نے قربانی عید کی نماز سے پہلے کی اس نیت سے کہ

غریب بھوکے تھے کہ ان کو کھلائیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ تمھارا صرف گوشت ہوا ہے ۔ دوبارا قربانی

کرنے کا کہا۔ حالانکہ صحابی کی نیت بھی صحیح تھی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## سنت کی تعریف اور فقہ:

سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہے ۔

اور اصطلاحِ شریعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

طریقے کو سنت کہتے ہے ۔ یا قرآن وحدیث سے جو بھی نیک

عمل ثابت ہو جائے وہ سنت ہے۔

شریعت میں سنت کی دو قسمیں ہیں ۔

1) ایک فرض یا واجب جس کے ترک کرنے سے

مومن گناہگار ہو جاتا ہے۔ شریعت میں فرض اور واجب میں

فرق نہیں ہے۔ فقہ میں فرق ہے۔

2) اور دوسرا نفل جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے لیکن

ترک کرنے سے گناہگار نہیں ہوتا ہے ۔

فقہ:

شریعت کی انسانی سمجھ کو فقہ کہتے ہے ۔ فقہ میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ فلاں آیت یا حدیث میں اللہ کی کیا مرضی اور مطلب اور مقصد ہے۔ اس میں علماء پھر قرآن کی آیات اور احادیث میں ربط بنا کر دلائل پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کا کیا مطلب ہے ۔

اس دلائل کے اعتبار سے فقہ میں) یعنی انسانی سمجھ میں نہ کہ خود شریعت میں (فرض کی دو قسمیں ہیں فرض اور واجب ۔

جو دلیل قطعی اور یقینی سے ثابت ہو کہ یہ فرض ہے تو یہ فرض

کہلاتا ہے اور اس کو ترک کرنے والا گناہگار ہوتا ہے ۔

جو غالب گمان سے ظاہر ہو جائے کہ فرض ہے تو یہ واجب

کہلاتا ہے اس کو ترک کرنے والا غالب گمان کے ساتھ گناہگار

ہوتا ہے یقینی گناہگار نہیں ہوتا صرف احتیاط اسی میں ہے کہ

اس کو ترک نہ کرے۔

اسی طرح فقہ میں نفل کی دو قسمیں ہیں سنت مؤکدہ اور

سنت غیر مؤکدہ ۔

وہ نفل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب کی حرص

میں ہمیشہ کی ہو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں ۔ اس کو ترک

کرنے والا ملامتی کا مستحق ہوتا ہے گناہگار نہیں ہوتا ۔

وہ نفل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار کی ہو

یا صرف دوسروں کو ترغیب دی ہو یا صحابہ نے کی ہو اور نبی

نے منع نہیں فرمایا ہو۔

اسی طرح فقہ میں حرام کی دو قسمیں ہیں۔ حرام اور مکروہ

تحریمی اور ایک اور قسم ہے مکروہ تنزیہی۔

جو دلیل یقینی سے ثابت ہو حرام کہلاتا ہے ۔ اس کے کرنے والا

گناہ گار ہوتا ہے۔

جو غالب گمان سے ثابت ہو اسے مکروہ تحریمی کہتے ہے ۔ اس

میں احتیاط یہی ہوتا ہے کہ پرہیز کریں ۔ اس کے کرنے والا

یقینی گناہ گار نہیں ہوتا ۔

جو حلال کے قریب ہو مکروہ تنزیہی کہلاتا ہے۔

نوٹ) : میری تحقیق کے مطابق(امام ابو حنیفہ رحِ

جیسے علماء جب کسی عمل کو مطلق سنت کہتے ہیں تو ان کا

مطلب سنت مؤکدہ ہوتا ہے یا وہ نفل جو نبی نے بذات خود کیا

ہو۔ اور جب اس کے علاوہ نفل مقصود ہو تو مستحب کہتے

ہیں۔

فقہ میں یہ اصطلاحات اور تقسیم اور اس کی تعریفیں

دوسرے علماء کے نزدیک مختلف ہو سکتی ہے لیکن صرف

تعبیرات مختلف ہوں گے مقصد ایک ہی ہو گا۔

۔۔۔۔۔واجب اور مکروہ تحریمی کا فائدہ ۔۔۔۔۔

حدیث مفہوم ہے:

اللہ والے یعنی مقربین مشتبہ عمل اور چیزوں سے بھی پرہیز

کرتے ہیں ۔

)مومن خود کو مقربین میں شمار نہیں کرتا لیکن مقربین

والے کام کرنے کی کوشش بہرحال کرتا ہے یعنی مذکورہ بالا

حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے(

اور اہل علم نے ایک قاعدہ لکھا ہے:

حسنات الابرار سیئات المقربین ۔ یعنی عام لوگوں کی نیکیاں

مقربین کے لئے گناہ)جیسے(شمار کئے جاتے ہیں ۔

جو نماز ہم پڑھتے ہیں نبی)ص(اگر اس طرح نماز پڑھے تو

اللہ اس پر آپ)ص(کو بہت زور دے گا۔

اسی طرح شیطان نے جھوٹی قسم کھائی کہ اگر آپ) آدم

علیہ السلام(اس درخت کا پھل کھائیں گے تو جنت میں

ہمیشہ رہیں گے ۔ جنت میں رہنے کی حرص چونکہ جائز اور

قابل تعریف ہے ۔ آدم علیہ السلام کو لگا کہ ایسا بھی کوئی ہوگا

جو اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائے گا تو آدم علیہ السلام اللہ

کا حکم بھول گئے کہ اللہ نے منع فرمایا ہے ۔ آدم نے بھولے سے

میوہ کھایا۔ اللہ نے اس پر بھی بہت زور دیا ۔ مومن اگر چہ

بھولے سے روزے میں کچھ کھائے تو معاف ہے لیکن آدم علیہ

السلام مقربین میں سے تھا ۔ (نیز یہ یاد رکھے آدم یعنی ہر

پیغمبر معصوم ہوتا ہے (

اسی طرح امام ابو حنیفہ رح کا کسی پر قرضہ تھا اور اس کے

ساتھ کوئی کام تھا ۔ آپ رح نے اس کے دروازے پر دستک دی

اور دھوپ میں کھڑے ہو گئے کہ کہیں اس کے گھر کے دیوار کے

سائے سے فائدہ حاصل کر کے سود کے زمرے میں نہ آ جائے ۔

یہ یقینی سود نہیں تھا مکروہ تحریمی پر انہوں نے عمل کیا

کہ حدیث میں ہے اللہ والے مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرتے

ہیں ۔

اس سے اندازہ ہوا ہو گا کہ فقہ میں واجب اور مکروہ تحریمی کا

کیا فائدہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● فقہ کا مسئلہ

میرا اکثر طریقہ کار یہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے تفاسیر میں اللّٰہ کی مدد سے راجح اور مرجوح تلاش کرکے راجح کو اپناتا ہوں۔ یہ اس لئے کہ میں دلائل کے اصول و ضوابط (منطق) سے ناواقف ہوں۔

تفاسیر کی مثال ہڈی ہے اور راجح اس کا مغز ہے۔ مغز ہی ہمارے فائدے کی چیز ہے۔

یہ اس لئے کہ موجودہ دور میں زمین پر صرف قرآن واحد کتاب ہے جو غلطی سے پاک ہے کیونکہ قرآن کو غلطی کی نسبت کرنا اللہ کو غلطی منسوب کرنا ہے ۔

باقی احادیث کی کتابوں میں بھی ضعیف روایات موجود ہوتے ہیں ۔ کوئی تفسیر اور عالم غلطی سے پاک نہیں۔ ایک غلطی کی بنیاد پر پوری تفسیر اور عالم کو ٹھکرانا غلط ہے البتہ سنگین غلطیاں کی ہو تو پھر دور رہنا ہی بہتر ہے۔

فقہ جو قرآن و حدیث)شریعت(کی انسانی سمجھ کو کہتے ہیں چونکہ فقہ کی نسبت بھی انسان سے ہے اس لئے اس میں بھی

غلطی ہوتی ہے ۔ فقہ خود شریعت نہیں ہے بلکہ شریعت کی انسانی

سمجھ ہے۔

فقہ میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریعت کا منشا اور مقصد

کیا ہے ۔ فقہ اگر شریعت کے منشا کے موافق ہو جائے تو مقبول

ورنہ مرجوح ۔

جس سمجھ)فقہ(پہ صحابہ متفق ہو جائے اس کو اجماع

صحابہ کہتے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سمجھ بعینہٖ

شریعت)اللہ(کا منشا اور مطلب یقینی ہے اس لئے اہل علم

صحابہ کے اجماع کی مخالفت کو کفر کہتے ہیں کیونکہ اس

میں مخالفت حقیقت میں فقہ کی نہیں بلکہ شریعت کی

مخالفت سمجھا جاتا ہے۔ (پھر بھی اگر کسی کو علم یقینی

نہیں کہ اس پہ صحابہ کا اجماع ہے تو یہ عند اللہ کافر نہیں ہے

کیونکہ وہ اپنے خیال و گمان میں غیر شریعت کی مخالفت کر

رہا ہے۔ واللہ اعلم)

بعض اوقات ایک شخص کو قرآن و احادیث میں سوچ و فکر

کرکے ایک انفرادی فقہ راجح لگتا ہے اور دوسروں کو الگ فقہ

راجح لگتا ہے ۔

جس کو سورج کی روشنی کی طرح واضح ایک فقہ راجح لگتا ہے

اور وہ پھر بھی تعصب ، باپ دادا کا طریقہ ، شخصیت پرستی ،

جذبات وغیرہ کی وجہ سے مرجوح کو راجح مانتا ہے تو اس کا

مسئلہ عند اللہ کفر کی حد تک خطرناک ہے کیونکہ وہ شخص

شریعت کے منشا کو چھوڑ کر اپنے مذکورہ وجوہات کی بنا پر

مرجوح اپناتا ہے ۔ ہاں اگر غالب گمان یا شک ہو تو مجتہد کا

بھروسہ کرے تو پھر کفر کا خطرہ نہیں، سورج کی روشنی کی

طرح واضح ہو تب خطرے کی بات ہے۔

راجح اور مرجوح میں اختلاف صحابہ کرام کے درمیان اور

تابعین کے درمیان بھی تھا ، استاد اور شاگرد کے درمیان بھی تھا

لیکن ایک دوسرے کے ساتھ لڑے نہیں ہے نہ ہی ایک دوسرے

سے بغض کیا کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ یہ شریعت کا حصہ ہے
کہ کسی کو ایک فقہ راجح لگتا ہے اور کسی کو دوسرا۔

نوٹ: میں اجتماعی طور پر فقہ کی بات نہیں کر رہا کہ مثلاً
کسی کو فقہ حنفی راجح لگتا ہے اور کسی کو فقہ شافعی ایسا
مطلب نہیں ہے بلکہ میں انفرادی فقہ کی بات کر رہا ہوں کہ
فلاں آیت یا حدیث کی یہ انسانی سمجھ (فقہ) راجح ہے اور
یہ مرجوح ۔ اجتماعی طور پر موازنہ کرنا جاہلوں کا کام ہے کہ یہ
کہتا ہے کہ مثلاً فقہ حنفی بہتر ہے ایسے شخص کے علم میں کمی
ہے۔

ذہن بنانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں: احناف کی شریعت کی

سمجھ کو فقہ حنفی کہتے ہے اس طرز سے عبداللہ ابن عباس رض

کے شریعت کی سمجھ کو فقہ ابن عباس کہا جا سکتا ہے۔

احناف، شافعی وغیرہ کو شریعت کہنے میں کفر کا خطرہ ہے اگر

کوئی علم یقینی کے ساتھ کہے تو یقیناً کافر ہوگا۔

احناف، شافعی وغیرہ کے فقہ کے اپنی اپنی بنیادی اصول بھی

ہوتے ہیں۔ اس حساب سے فقہ بناتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

قرآن و حدیث کا کس کا مفہوم معتبر ہے

قرآن میں ارشاد ہے: مفہوم:

زمین میں عبرت کی نظر سے سیر کرو اور غور کرو کہ کیا

انجام ہوا (رسولوں کو اور حق) کو جھٹلانے والوں کا۔

اس آیت کی دو طرح کی تفسیر کی گئی ہے ۔

1) اس زمین میں سیر کرو ۔۔۔ اور جھٹلانے والوں کے

کھنڈرات میں غور کریں اور تاریخ پڑھیں۔۔ لیکن تاریخ

میں بہت سی باتیں جھوٹ بھی ہوتی ہے ۔ اس لئے یہ تفسیر

مجھے کچھ زیادہ راجح نہیں لگتا ہے ۔ (البتہ عبرت کی نظر سے

زمین میں سیر کرنا اہل علم کے نزدیک ہجرت میں شامل ہے)

2) قرآن کی زمین میں سیر کرو ۔۔۔ فرعون وغیرہ کے

واقعات میں غور کریں ۔۔۔۔ یہ تفسیر زیادہ راجح لگتا ہے

کیونکہ قرآن میں سب حق اور سچ ہے ۔

قرآن کو معلومات کا وسیع میدان سمجھیں اور اس میں عبرت

کی نظر سے سیر کریں ۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح ہم زمین پر خود نہیں چل سکتے

تھے پہلے ماں باپ کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اور پھر خود چلنا

شروع کیا لیکن بڑوں اور تجربہ کار کا مشورہ لینے سے آزاد نہیں

ہوئے ایسے ہی قرآن کی زمین میں چلنا سیکھنے کے لئے صحابہ

کرام رض، تابعین رح، اور تابع تابعین رح یعنی سلف

صالحین کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھنا پڑیگا اور پھر خود چلنا

شروع کیا لیکن ان کے مشورہ سے مکمل آزاد نہیں ہوتے کہ

اپنا اجتہاد سلف صالحین کی تفاسیر کے ساتھ میچ کریں کہ

کہیں سنگین غلطی نہ کر بیٹھیں ۔

سلف صالحین کی انگلی پکڑے بغیر شروع سے خود قرآن و

حدیث میں اجتہاد کرنا اور اس کا خود ترجمہ و تفسیر کرنا

مناسب نہیں ہے۔

ایک آیت کی تفسیر ایسی کرنی ہوتی ہے کہ باقی آیات اور

اصولوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ رہے۔

اب سوال یہ ہے کہ سلف صالحین کی انگلی ہی کیوں پکڑے کسی

اور عالم کی انگلی کیوں معتبر نہیں ؟

جواب:

قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ‌ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞

یوسف - 22

ترجمہ:

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم

بخشا۔ اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں۔

یعنی قرآن وحدیث کا علم یعنی آسمانی علم نیکو کاری پر

انحصار کرتا ہے ۔

قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہے مفہوم:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ – الحجرات – 13

ترجمہ:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ

تقوی دار ہے

۔۔۔ یعنی مخلوق کی فضیلت اور شرافت کی رینکنگ عقلی

تقوی یعنی نیکوکاری پر ہے۔۔ نبی کریم ﷺ کے سب سے

زیادہ نیکیاں ہے اس لئے اولین درجے پر ہے ۔

حدیث مفہوم ہے:

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کون لوگ افضل ہے ؟ نبی ﷺ

نے فرمایا میرے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ،

پوچھا گیا پھر کون؟ فرمایا اگلی صدی کے لوگ یعنی تابعین

رح ، پھر پوچھا گیا پھر کون؟ نبی نے فرمایا اس کے بعد

صدی کے لوگ یعنی تابع تابعین رح۔ اور پھر جھوٹ عام ہو

جائے گا ۔

اوپر یہ واضح ہو گیا تھا کہ فضیلت کا دارومدار نیکی پر ہے اور

حکمت کا دارومدار نیکی ہے۔ تو زیادہ تقوی دار اور نیکوکار

ہونے کی وجہ سے سلف صالحین کا علم اور حکمت زیادہ معتبر

ہو گیا ۔

غرض یہ کہ عوام کو یہ کہنا کہ سلف صالحین کو بالکل ترک

کریں ۔۔ یہ مناسب نہیں ہے ۔

لیکن سلف صالحین کے خطا پر عمل کرنا بھی مناسب نہیں ہے

۔

علماء جب عوام کو درس وتدریس کرتے ہیں تو مناسب ہے کہ

سلف صالحین نے جو کہا ہے وہ سیکھائیں۔ کیونکہ عوام کی تو

قرآن میں شروعات ہوتی ہے۔ اپنی انگلی نہیں بلکہ سلف

صالحین کی انگلی پکڑوادیا کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## کرنسی کا مقصد:

یہ انسان کے خواہشات کو قابو کرنے میں مدد کرتا ہے۔

یہ انسان کو وسائل کے استعمال میں اسراف سے بچانے میں

اہم کردار ادا کرتا ہے ۔

یہ انسان سے جائز اور ضروری خدمات لیتا ہے ۔

جب مقصد ہی فوت ہو جائے تو فساد ہی پھیلتا ہے ۔

جوا، سود، رشوت،ناچ گانے کے ذریعے کمانا وغیرہ کے حرمت

میں یہی حکمت ہو سکتی ہے کہ اس میں کرنسی کا مقصد فوت

ہو جاتا ہے کہ یہ ضروری خدمات فراہم کئے بغیر حاصل ہوتے

ہیں۔

اگر اللہ پاکستان پر آسمان سے ڈالر برسائے تو موجودا

پاکستانیوں کے کردار کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس

میں کرنسی کا مذکورہ بالا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کہ

پاکستان دوسرے ممالک سے وسائل درآمد کرے گا اور یو

دوسرے ممالک میں وسائل کا بحران ہوگا اگرچہ ذاتی طور پر

پاکستان کو فائدا ہوگا۔

ضروری خدمات میں زمین داری سر فہرست ہے ۔

حکومت کو کرنا یہ چاہئے:

(1 ہر عمل میں کرنسی کے مقصد کو ملحوظ رکھے۔

(2 انسان سے غیر ضروری خدمات لینے کے بجائے ضروری خدمات لے لیا کرے۔ مثلاً ایک بادشاہ کسی کو پنکھا چلانے کے پیسے دیتا ہے جو کہ جائز ہے لیکن ضروری نہیں ہے ۔ اب پنکھا چلانے کے بغیر گزارا ممکن ہے اس لئے اس کو زمین

داری وغیرہ پہ لگائے اور تنخواہ دے۔ اسی طرح ملک کی

حفاظت 60 آدمی سے ممکن ہے تو باقی 40 آدمی کو زمین

داری پہ لگا کر تنخواہ دے۔ اسی طرح غیر ضروری کارخانوں پر

بجلی صرف نہ کریں اور اس بجلی کو کنویں کے پانی کے لئے

صرف کریں کیونکہ زمین داری ضروری خدمات میں سے ہے

& سو آن۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس مذکورہ پالیسی میں چونکہ ذاتی دنیاوی

فائدا نہیں صرف اجتماعی فائدا ہے۔ اس لئے جو حکمران

آخرت سے غافل ہو ان کو اگر یہ پالیسی ذہن میں آ بھی جائے تو

اس پر عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس میں ذاتی دنیاوی فائدا

نہیں ہے اور اجتماعی فائدا تو آخرت میں مفید ہے اور آخرت سے

تو یا غافل ہے یا ڈائریکٹ جنتی ہے اللہ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ

بس دنیا میں اپنا فائدا دیکھو آخرت کی فکر نہ کرو۔۔۔ اور

یہاں پہ ذاتی فائدے سے مراد اپنے جیب کی پرواہ کی بات کر رہا

ہوں۔ مثلاً لیڈر وغیرہ کو تنخواہ ملکی خزانے سے ملتی ہے اس

کو بس یہی فکر ہوتی ہے کہ کیسے خزانے میں پیسے آئے کہ

مجھے تنخواہ مل سکے تو کرتا یہ ہے کہ ٹیکس بڑھاتا ہے اور جو

تھوڑی بہت پیداوار ہوئی ہے اس کو بھی برآمد کرتا ہے تاکہ

خزانے میں پیسے آئے اور تنخواہ ہمیں ملتی رہے۔ یہ نہیں

سوچتے کہ پیداوار کو بڑھانے کے لئے منصوبہ بندی کریں۔ ان

کو شارٹ کٹ طریقے سے تنخواہ ملتی ہے اور کیا چاہتے ہیں۔

اگر اللہ کے قوانین میں غور کریں تو اس میں کرنسی کے

مقصد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس لئے قرآن و حدیث کا صحیح اور مناسب طریقے سے قانون

نافذ کرنے کے لئے کوشش حق پرست علماء کرام پر فرض

کفایہ ہے۔ کیونکہ اللہ کے قوانین کیسے نافذ کرنے ہیں اس کے

لئے علم اور حکمت کی ضرورت ہے۔ اور حکمت قرآن وحدیث

پر علم کے ساتھ عمل کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔

یہ "صحیح اور مناسب طریقے" کا قید اس لئے لگایا کیونکہ

قبائل میں اس کو نافذ کیا گیا تھا لیکن بھرپور جہالت کے

ساتھ۔

کہاں سختی کرنی ہے اور کہاں نرمی۔ اس کے لئے حکمت کی

ضرورت ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

- اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے

اللہ الرحم الراحمین ہے ۔ اللہ اپنے بندوں سے ماں سے زیادہ

محبت کرتا ہے ۔ (زیادہ ہونے کا اندازہ اللہ کو ہی معلوم ہے)

لہزا اللہ سے امیدیں وابستہ رکھیئے کہ اللہ دعاؤں پر راضی ہوتا

ہے۔

محمد ابن سیرین)تابعی(رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے کہ اگر

مجھے قیامت کے دن کہا جائے کہ تم سے اللہ حساب کریں یا

اپنے والدین۔ تو میں کہوں گا کہ مجھ سے والدین حساب نہ

کریں بلکہ اللہ حساب کریں۔)کہ اللہ الرحم الراحمین ہے(

واللہ تعالیٰ اعلم

● موت کو طبعی ناپسند کرنا:

موت ہر انسان کو طبعی طور پر ناپسند ہوتا ہے ۔

عقل مندی یہ ہے کہ مرنا تو ہر حال میں ہے تو ایسی موت مر

جائے کہ اللہ راضی ہو اس لئے عقل مند مومن شہادت کی موت

کا آرزو کرتا ہے کہ شہادت سے اللہ کی رضا مندی یقینی ہے۔

جس روایت میں ہے مفہوم: کہ منافق شہادت کی آرزو نہیں

کرتا ہے اس کا مطلب ہی یہی ہے کہ منافق کو اللہ کی رضامندی

سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا، لہزا منافق شہادت کی آرزو کیوں

کرے۔

اسی طرح مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ایک نماز **1** لاکھ۔ **50** ہزار گنا ہوتا ہے ۔ چونکہ مومن اللہ کی رضا مندی کا طلبگار ہوتا ہے اتنا ثواب دیکھ کر مومن کا دل مکہ اور مدینہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## عقلی خوف

قرآن و حدیث میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں عمل کرو گے تو یہ نقصان ملے گا۔ اس کا صحیح نظریہ یہ ہے کہ فلاں عمل کرو

گے تو اللہ تمہیں سزا دے گا۔ عمل میں خود بخود اثر نہیں

ہوتا۔

اس طرح عمل سے نہیں اللہ سے عقلی خوف ہو گا۔ جذبات میں

عمل سے خوف ممکن ہے۔ لیکن عمل کو اس نظریے سے ترک

کریں کہ اللہ سزا دے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ (سلام)

السلام علیکم: تمام آفتوں سے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی

ہو۔

ورحمتہ اللہ: اور نعمتیں ہو تم پر اللہ کی طرف سے ۔

وبرکاتہ: تمام آفتوں سے سلامتی اور نعمتیں ہمیشہ ہو تم پر

اللہ کی طرف سے۔

لہزا سلام ایک کامل اور مکمل دعا ہے جو مسلمان ایک

دوسرے کے لئے اللہ سے مانگتے ہیں۔ اور اس دعا کا حاصل

جنت ہے کہ تمام مصیبتوں سے امن اور نعمتیں ہمیشہ کے لئے

ہونا جنت میں ہی ممکن ہے ۔

عبداللہ بن عمر رض سلام کی خاطر بازار جایا کرتے تھے کہ

اس کا بازار میں کوئی کام نہ تھا صرف السلام علیکم ورحمتہ

اللہ وبرکاتہ کے لئے جاتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## دعا اور عبادت

دعا عبادت کا مغز اور خلاصہ ہے ، دعا ہی عبادت ہے۔ دعا مانگنے

کے دو طریقے ہیں:

اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں پیش کرکے دعا مانگنا جسے عرف

میں بھی دعا کہتے ہیں ۔ مثلاً: یا اللّٰہ یا الرحمن یا رب محمد

ص وغیرہ یعنی اللہ کی حمد و ثنا بیان کر کے حاجت طلب

کرنا۔

اور دوسرا طریقہ نیک عمل کو وسیلہ میں پیش کر کے مانگنا

مثلاً ایمان، نماز ، روزہ، درود شریف ، خدمت خلق وغیرہ کو

وسیلہ میں پیش کر کے حاجت طلب کرنا ۔

ایمان کو وسیلہ میں پیش کرکے مغفرت / جنت طلب کریں

۔

دعا اپنے لئے بذات خود مانگتے ہو تو بھی یہ دو طریقے ہیں اور اگر

کوئی دوسرا شخص تمھارے لئے مانگے تو بھی یہ دو طریقے ہیں

۔۔ (دوسرے کے لئے مانگتے وقت اسمائے حسنیٰ وسیلہ میں

پیش کر کے مانگے یا اس کے احسان کو وسیلہ میں پیش کر

کے ۔۔۔)

قرآن میں ہے مفہوم: اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو ۔

مذکورہ بالا دو طریقوں میں مختلف طریقے ڈھونڈو ، مثلاً اگر

اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں پیش کر کے حاجت پوری نہیں

ہوتی تو والدین کی خدمت کر کے اس خدمت کو وسیلہ میں

پیش کریں، اس طرح مختلف نیک اعمال ڈھونڈو خاص کر

جو فرض ہو۔۔ اللہ کے لئے وسیلہ ڈھونڈو ، اہل علم کہتے ہیں

پتہ نہیں کونسی نیکی پر مغفرت ہو جائے ، زندگی میں کوئی نیکی ایسی ہوگی کہ اس کے سبب اللہ مغفرت فرمائے ۔

اللہ دعاؤں پر راضی ہوتا ہے ۔ قرآن میں ہے مفہوم : جو اللہ کی عبادت (دعا) سے اعراض کرے گا اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا ۔

حدیث میں ہے مفہوم : چھوٹی حاجت بھی اللہ سے مانگے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی ۔۔ مقصد یہ کہ خود کو اللہ سے مستغنی نہ سمجھے کہ یہ سوچنا کہ جوتے کا تسمہ کیوں اللہ سے مانگو۔

ہر عبادت و نیک عمل میں دعا کو مقصد بنائے ۔

دعا اور عبادت کی تعریف مختلف ہے لیکن دونوں ایک دوسرے

سے جدا نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## آداب قرآن:

قرآن کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کی آیات کو خود کے

ساتھ فٹ کریں ، خود کو چیک کریں ۔ جب مدح والی آیت تم

پر فٹ ہو گئی تو چپکے الحمداللہ کہہ کر اللّٰہ کی طرف منسوب

کریں کہ یہ اللہ کی توفیق سے ہے۔۔ اور جب زجر والی آیت فٹ

ہو جائے تو استغفر اللہ کہہ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور

اس خصلت کو خیر و عافیت کے ساتھ دور کرنے میں اللہ کی

مدد طلب کریں ۔۔

مثلاً:

قرآن میں جہاں یہود، منافقین وغیرہ کی خصلتیں ہے ان کو

انگریز پہ نہ چپکائیں ۔۔ بلکہ خود کو اس کے ساتھ چیک

کریں ۔۔

(ججمنٹ کے لئے دوسروں پہ چپکا سکتے ہو کہ کس کے ساتھ دوستی کرنی ہے اور کس کے ساتھ کاروبار مناسب ہے ، اس طرح رشتے وغیرہ کے لئے ---(

حضرت عمر رض کفار کی آیات خود پہ چیک کرتے اور خفا ہوتے۔

حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ میں تقریباً تیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ملا ہوں اور ان میں سے ہر کوئی اپنے بارے میں ڈرتے تھے کہ کہیں (تقدیر میں) منافقین میں سے نہ ہوں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● عبادت کے اقسام

عبادات دو قسم کے ہیں:

1) قولی عبادت: جیسے ذکر

2) فعلی عبادت: یہ دو قسم کے ہیں 1) ترک فعل

جیسے صوم ، گناہ سے پرہیز

اور 2) اطاعت بالفعل

اطاعت بالفعل دو قسم کے ہیں: بدنی جیسے نماز اور مالی

جیسے زکوٰۃ اور بعض عبادات بدنی اور مالی کا مرکب ہوتا ہے

جیسے کہ حج۔

تمام قولی اور فعلی عبادات لا الہ الااللہ کے اظہار کے لئے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● احسان اور عبادت

اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اور آگر ایسا نہیں کر سکتے تو ایسی عبادت کر جیسے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

مفہوم صحیحین – بخاری و مسلم ۔ متفق علیہ ۔۔

مقصد یہ کہ عبادت اس بندے کی عبادت کے مشابہ کر کہ وہ اللہ کو دیکھ کر عبادت کرتا ہو۔۔ اپنی دل و دماغ کو یہ بتائے کہ اللہ تمھاری عبادت دیکھ رہا ہے اللہ غفور و شکور ہے ۔ کہ عبادت میں کوتاہی ہوئی تو اللہ معاف کرے گا اور شکور ہے کہ

اللہ کے ہاں نیکی کی بے انتہا قدر ہے اللہ تمھاری عبادت کو

ضائع نہیں کرے گا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے مفہوم: اللہ

محسنین کی نیکیاں ضائع نہیں کرتا ۔۔

جو شخص مذکورہ حدیث کے مطابق عبادت کرتا ہے وہ محسن

کہلاتا ہے اور اس طرح عبادت کو احسان کہتے ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● عبادت کا مسئلہ:

اللہ کی عبادت کرکے اپنے عمل پہ گھمنڈ نہ کریں بلکہ اللہ کی
طرف نظریں جمائے کہ اللہ قبول کریں تو ہی بات بن جائے ۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ایک اچھا عمل ہے لیکن ابراھیم اور
اسماعیل علیھم السلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ کی
طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی ربنا تقبل منا انک انت السمیع
العلیم ۔۔ کیونکہ جب قبول ہو جائے تو ہی بات بن جائے ۔۔

غرض یہ کہ اس بات کو ذہن نشین کریں کہ اس طرح اللہ پہ
بھروسہ ہوگا نہ کہ اپنی عمل پہ۔۔ اور یوں جب خیر مل

جائے تو الحمد اللہ کہہ کر اس خیر کو اللہ کی طرف منسوب

کریں ۔۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- لازوال غلبہ اور شہرت

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ

رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ۝ **14:1**

ترجمہ:

الر) یہ (ایک) پرنور (کتاب) ہے اس کو ہم نے تم پر

اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی

کی طرف لیجاؤ۔ (یعنی) انکے پروردگار کے حکم اور توفیق سے

غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف۔

انسان کی فطرت دو چیزوں کی طرف میلان کرتا ہے ۔

غلبہ اور شہرت (کسی نعمت پر غالب آنا چاہتا ہے یا شہرت

چاہتا ہے)

تب جا کر وہ مال و دولت کے پیچھے بھاگتا ہے ۔ لیکن اللہ

فرماتا ہے کہ جس نیت اور طریقے سے مال حاصل کرنا چاہتے ہو

اول تو اس میں غلبہ اور شہرت ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو (اللہ

کی طرف سے) فانی غلبہ اور شہرت ہے ۔ اصلی اور باقی رہنے والا

غلبہ اور شہرت چونکہ تمھاری فطرت چاہتا ہے ، اس کے لئے

عزیز اور حمید کے راستے اور قوانین کو اپنانا پڑیگا ۔

انسان کہتا ہے میں جلد باز ہوں مجھے یہ غلبہ اور شہرت جلدی

بھی چاہیے اور تیرے لمبے چوڑے تقدیر و قوانین کے بغیر بھی

چاہیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کائنات میں ایسی جگہ

تلاش کرو جہاں میرا زور اور تسلط نہ ہو وہاں جاؤ اور خود

لازوال غلبہ اور شہرت بناؤ ۔

جب تم تلاش نہ کر پاؤ تو میرے آیات و قوانین کے سامنے

گھٹنے ٹیک دو۔۔۔

فرعون نے یہی کیا اللہ کے قوانین کے علاوہ غلبہ اور شہرت

چاہا۔ اللہ نے بطور استدراج فانی غلبہ اور شہرت دے دیا۔۔۔

اس لئے قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کا سبب

اللہ کی آیات و قوانین سے انکار کرنا تھا ۔۔

فرعون کے انکار کا مطلب یہ تھا کہ میں (فرعون) اپنا غلبہ

اور شہرت عزیز اور حمید کا ہاتھ تھامے بغیر پا سکتا ہوں نہ

مجھے اللہ کی ضرورت ہے نہ اللہ کے قوانین کی۔

یہ لازوال غلبہ اور شہرت حاصل کرنا نہ جاننا کہ کیسے

حاصل کیا جائے گا ظلمت اور تاریکی ہے۔ توحید کی روشنی

ہاتھ میں تھما دے ، عزیز اور حمید کے راستے کو رب کی توفیق

سے اپنائیں گے ۔

اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا ۔ اللہ کے

قوانین اپنانے کو باہر سے دیکھنا اس لئے مشکل لگتا ہے کیونکہ

تم اس قوانین میں اللہ کی توفیق نہیں دیکھتے ۔

باذن ربھم۔۔ رب کے حکم سے اور رب کے توفیق سے ۔

رب کے حکم کے مطابق تبلیغ کریں ۔ یعنی اخلاق کے دائرے

میں تہذیب یافتہ الفاظ میں اور موقع کے مناسب اور قرآن کی

آیات اور احادیث کی روشنی میں نہ کہ اپنی من مانی کے مطابق

کہ مثلاً اللّٰہ کے اصولوں اور قوانین کے مطابق لوگ نہیں مان

رہے تو نیا طریقہ ایجاد کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

- ضد و عناد

حق واضح ہو جانے کے باوجود دشمنی یا مخالفت کی وجہ سے

حق تسلیم نہ کرنا ضد و عناد کہلاتا ہے ۔۔

ضد و عناد کئی وجوہات سے بنتا ہے ۔ جن میں بعض مندرجہ

زیل ہیں ۔

تکبّر:

یہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ جس کو آپ حقیر سمجھتے ہوں اس کی باتوں پہ کوئی توجہ نہیں دیتے ، اور سوچتے ہوں کہ میں اس فقیر حقیر کی بات کو تسلیم کروں گا ، وغیرہ ۔۔ اس سے ضد و عناد وجود میں آتی ہے ۔

تعصب:

آپ کے یا آپ کے پارٹی، مسلک وغیرہ کے مخالف اگر کوئی بات یا نظریہ ہو تو اس کی بے جا مخالفت کرتے ہوں ۔ اس سے بھی عناد وجود میں آتا ہے ۔

شخصیت پرستی:

آپ کے پسندیدہ شخص، عالم کے قول کے مخالف کوئی بات

یا نظریہ ہو تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے تو ضد و عناد وجود

میں آتا ہے ۔

اب و جد :

رسم و رواج یا باپ دادا کے طریقے کے مخالف کوئی بات یا

نظریہ ہو تو اس وجہ سے ضد وجود میں آتی ہے ۔۔

یہ والا بہت خطرناک ہے اور مرتے دم تک ہمارا پیچھا نہیں

چھوڑتی ہے ۔ کیونکہ بچپن سے ہم باپ دادا اور رسم و رواج سے

جو سیکھتے ہیں وہ ہمارے مزاج میں داخل ہو جاتی ہے ۔ پھر

جب حق ان کے مخالف ہوں تو حق تسلیم کرنا بہت مشکل

ہوتا ہے ۔

)باپ دادا اگر ھدایت پر ہو تو اس کے پیچھے جانا منع نہیں

لیکن صرف ان کی فتویٰ پر اکتفا نہ کریں بلکہ عقل اور

ہدایت کا استعمال کریں ۔

ہدایت سے مراد قرآن و حدیث ہے۔ قرآن کی آیات اور احادیث

کے ساتھ ان کا فتویٰ میچ کریں ۔)

ــــــــــ

اب میں اپنی ذاتی تحقیق بتاتا ہوں اگر میں غلط ہو گیا ہوں تو

اللہ اور اس کا شریعت میری اس تحقیق سے بیزار ہے اور اگر

حق تک پہنچا ہوں تو یہ خالص اللہ کی طرف سے ہے۔

میری ذاتی تحقیق کے مطابق کفر و شرک کی دو قسمیں ہیں ۔

کفرِ سببی اور کفرِ مطلقِ غیر سببی

کفر سببی وہ ہے جو ضد و عناد کی سبب سے بن جائے ۔ مثلاً

کسی نے ضد و عناد کی بناء پر اللہ کے وجود کا انکار کیا اور اس

کے بعد اس نے قرآن کا انکار جہل کی بناء پر کیا تو قرآن سے یہ

انکار کفر سببی ہے ۔ اور کوئی ضروری نہیں کہ اللہ اس کو

قرآن کی حقانیت واضح کریں کیونکہ اس شخص پر پہلے سے
حجت قائم ہو چکی ہے اللہ کے وجود کو تسلیم نہ کرکے۔۔۔
توبہ کئے بغیر مر جائے تو کافر ہے اور جہنمی ہے ۔

کفر غیر سببی وہ کفر ہے جو کہ ضد و عناد کی سبب سے نہ ہو۔
مثلاً کوئی شخص اللہ کے وجود کا انکار مطلق جہل کی بناء پر
کریں اور اس نے پہلے بھی کوئی کفر ضد و عناد کی بناء پر نہیں
کیا۔ تو اس شخص پر حجت قائم نہیں ہوئی ہے ۔ اللہ اس کو
حق واضح کرے گا ۔

(بالفرض و تقدیر اس کو زندگی میں کبھی بھی کوئی بھی حق

واضح نہیں ہوا جس سے وہ ضِدً و عنادً کفر کرے تو یہ شخص

جہنم نہیں جائے گا اور اللّٰہ کے نزدیک مسلمان ہے۔ اگرچہ

اس نے قرآن پر مطلق جہل کی بناء پر ایمان نہیں لایا ہو اور

ضد و عناد کبھی نہیں کی ہو واللہ تعالیٰ اعلم ۔۔ ہم ظاہر

دیکھتے ہیں ، ہماری نظروں میں کافر تصور ہو گا اور غیر

مسلموں کے قوانین جاری ہوں گے اس پر ۔واللہ تعالیٰ اعلم)

۔۔۔۔

ضدًّ و عنادً کفر باطن کا معاملہ ہے اور ہر شخص کو اپنے بارے

میں یقینی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے فلاں مسئلے میں ضدًّ

و عنادً کفر کیا ہے ۔

اس سے اندازہ ہو چکا ہو گا کہ ضد و عناد کتنا خطرناک ہے لہٰذا

اس کی وجوہات کو ذہن میں رکھ دیں ۔

فائدہ اس پوسٹ کا یہ ہے کہ ایمان ایک یقینی شئے ہے اور اس کو

یقین ہی توڑتا ہے شک نہیں ۔۔ کہ ہر وقت اس شک میں

مبتلا رہتے ہوں کہ کہیں کوئی ایمانیات سے غافل تو نہیں ہوں

۔۔ کیونکہ یہ شک انسان کو ثابت قدمی سے روکتا ہے ۔ ضد و

عناد یعنی یقینی کفر نہ کریں اور مطمئن رہیں اپنی تا حال
ایمان کے بارے میں ۔ البتہ انجام کے اعتبار سے اپنے ایمان کے
بارے میں فکرمند رہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

- ## مذہب کی حقیقت

یہ پوسٹ عجیب لگے گا آپ کو لیکن

جو عموماً اسلام کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے وہ مذہب پرستی

(religious racism) کی طرف ترغیب دیتا ہے اور جو اس

پوسٹ میں ہے یہ انفرادی شخص کو فکر مند کرے گا ۔

قرآن میں ارشاد ہے مفہوم:

جو لوگ کتاب اللّٰہ نہیں سمجھتے اس کی ساری زندگی جھوٹ

میں گزر جاتی ہے ۔

مثلاً

اللّٰہ نیکی کے بدلے نعمت عطا کرتا ہے ۔ جب کتاب اللّٰہ نہ

سمجھنے والے نے غلطی سے والدین کی خدمت (نیکی) کی ہوتی

ہوں اور اس نیکی کے بدلے اللّٰہ اس کے کاروبار میں برکت ڈال

دیں تو یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں بابا کے قبر پر جا کر اس سے

مدد مانگی اور اس نے میرے کاروبار میں برکت ڈال دیا ۔

اسی طرح بہنوں کا جائیداد ہڑپ کر کے جب اللّٰہ رجوع کرنے

کےلئے اسے تکلیف میں مبتلا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے نظر لگ

گئی ۔

)نظر لگنا حق ہے لیکن ہر تکلیف کی وجہ نظر بد نہیں ہوتی ۔)

اس نیت سے گناہ کرنا کہ چند دن جہنم میں رہوں گا پھر ویسے بھی نکل جاؤں گا اس کو قرآن میں یہودیت کہتے ہیں ۔

شفاعت کی امید سے گناہ کرنے کو نصرانیت کہتے ہیں ۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے لاڈلے اور محبوب ہے اور اس کے امتی ہونے کی وجہ سے ہم بھی اللہ کے لاڈلے اور محبوب ہوئے لہزا اللہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔۔ اس نظریے کے ساتھ گناہ کرنے کو نصرانیت کا خصلت قرار دیا گیا ہے ۔

کافر کی ایک خصلت یہ ہے کہ سوچتا ہے کہ مجھے طرح طرح کی

نعمتوں سے نوازا گیا ہے اگر بالفرض و تقدیر قیامت کے دن

اٹھایا جاؤں گا تو وہاں بھی ایسا ہی دیکھے گا اور نعمتیں ملیں

گی، یہ دنیا میں نعمتوں کا ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ اوپر والا

مجھ سے راضی ہے ۔

توبہ کی امید پہ گناہ کرنا کہ اب دس گناہ کرتا ہوں پھر دس

نیکیوں سے ان کو مٹا دوں گا ۔

اس میں حق اور مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ صبح کے گناہ شام کو

مٹانے کی کوشش کریں اور شام کے گناہ صبح کو، کہ گناہ

کرتے وقت یہ ذہن میں ہو کہ میں شام تک اس گناہ کو مٹا

دوں گا، پھر گناہ کے فوراً بعد یا کم از کم شام تک کوئی نیک

عمل اس نیت سے کریں کہ صبح والے گناہ مٹ جائے۔۔۔

(اتنی ہی گناہ کر جتنی نیکیوں سے مٹا سکتے ہیں لہزا دل

آزاری اور بددعائیں لینے سے پرہیز کریں کہ اس کو مٹانا مشکل

ہے)

لمبی امید بھی نقصان دہ ہے کہ گناہ کو مٹانے میں تاخیر کر

رہے ہو کہ ساٹھ ستر سال کی عمر میں نیکیوں سے مٹا دوں گا

کیونکہ

الف) موت کا کوئی اعتبار نہیں کب آئے ۔

ب) حدیث میں ہے مفہوم : جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھتی

ہے تو دو چیزوں کی حرص بڑھتی ہے ایک مال اور دوسرا عمر۔

حدیث کے مطابق ساٹھ سال کی عمر میں سو سال کی امید لگائے

بیٹھو گے ۔

ج) ساٹھ سال کی عمر میں بھی فرشتہ تو نہیں بن سکتے اس

وقت بھی گناہ کرو گے اور بوڑھاپے کی وجہ سے وہ گناہ بھی نہ

مٹا سکو گے ۔ تو جوانی والے کیسے مٹاؤ گے۔

لھزا حق طریقہ یہ ہے صبح کے گناہ مٹانے میں شام سے زیادہ

تاخیر نہ کریں۔

حدیث میں ہے مفہوم: جب تم گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد

نیکی کرو، یہ نیکی گناہ کو مٹا دیں گی، چپ کے گناہ کے بعد

چپ کہ نیکی اور کھلم کھلا گناہ کے بعد کھلم کھلا نیکی کرو

(یعنی گناہ کے مثل نیکی کرو)

لھزا

گناہ کرتے وقت خود سے پوچھا کریں کہ کس نظریے سے کر

رہا ہوں۔

۔۔۔

)انجام کے اعتبار سے(اپنے ہی دعوے پر مطمئن نہ ہونا کہ میں نے مسلمانی کا دعویٰ کیا ہے اب عیش کرو بالآخر جنت چلا ہی جاؤں گا، تم نے دیکھا ایسا نظریہ رکھنا یہودیت ہے۔۔۔حق طریقہ یہ ہے قرآن کی تلاوت کے دوران خود کو آیات کے ساتھ میچ کرنا کہ کس سمت جا رہا ہوں ۔

عمر رض کفار کی آیات خود کے ساتھ لگاتے اور خفا ہوتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراز سے عمر رض نے پوچھا کہ اللہ نے وحی کے ذریعے نبی کریم ص کو

)تقدیر میں(منافقین دکھائے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ

آپ نبی ص کے رازدار ہونے کی وجہ سے منافقین نہیں دکھائیں

گے بس اتنا بتا دے میں)عمر(تو ان منافقین میں سے

نہیں ہوں۔

یہودیت اور نصرانیت کی ایک اور خصلت ہے بخل۔

بخل یہ ہے کہ جہاں مال لگانا فرض ہو اور نہ لگائیں ۔ نفلی

خیرات نہ کرنے والے کو بخیل نہیں کہتے ۔

حدیث میں مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ جس پر حج فرض ہو (یعنی مال لگانا فرض

ہو) اور حج نہ کریں تو کوئی پرواہ نہیں کہ یہ یہودیت پہ

مرے یا نصرانیت پہ۔

یہ صرف حج پر موقوف نہیں ۔ ہر بخل کو شامل ہے۔

اس سے اندازہ ہو چکا ہو گا کہ قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں

کافر، یہودی ، نصرانی ، مومنین کی بات ہوتی ہے وہاں خصلت

مراد ہوتی ہے وہ نہیں جو انسان خود دعویٰ کرتا ہے ۔ یعنی ایک

شخص دعویٰ یہودیت کا کرتا ہے اور خصلتیں مومنین کی ہے تو

اسکا خاتمہ ایمان پہ ہوگا، یعنی وہ تقدیر میں اور اللہ کی نظر

میں مومن ہے اور ہم چونکہ ظاہر کو دیکھتے ہیں ، اس نے

دعویٰ یہودیت کا کیا ہے تو ہم اس کو یہودی ہی تصور کریں گے

اور مسلمانوں کے قوانین اس پر لاگو نہیں کریں گے جیسے کہ

زکوٰۃ اس کو نہیں دیں گے، زکوٰۃ کے علاؤہ مالی امداد کریں

گے۔ وغیرہ۔

اسی طرح ایک شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو ہم اس کے

باطن کو نظر انداز کر کے مومن ہی تصور کریں گے لیکن

اگر وہ عادۃً بخیل ہو یا عادۃً یہودیت یا نصرانیت کی خصلت

پر ہو تو اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہو گا یعنی تقدیر میں اور

اللہ کی نظر میں مومن نہیں ہو گا ۔

ـــــ

قرآن میں جہاں ارشاد ہے کہ یہود اور نصاری کو دوست

(رازدار) نہ بناؤ تو اس میں اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو

خصلتوں کے اعتبار سے یہودی و عیسائی ہو۔ یہ چونکہ باطن کا

مسئلہ ہے جب تم اس کے ساتھ وقت گزارو اور پتہ لگ جائے

کہ یہ شخص گناہ مذکورہ یہودیت اور عیسائیت کی نظریے کے

مطابق کرتا ہے تو اس کو ہمراز نہ بنائیں۔

رہا دعویٰ کرنے والا یہودی و نصرانی ، تو ان سے احتیاط پرہیز

کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کسی مومن میں مذکور یہودیت وغیرہ کی خصلت پائی جائے

تو اس سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔۔

اگر ان خصلتوں کی عادت ہو تو وہ شخص اپنے لئے فکر مند ہو

جائے۔

قیامت کے جھٹلانے والوں کی خصلت سورہ ماعون میں یوں

ہے: جو یتیم کو دکھے دیتا ہے) یعنی ان کا مال ناحق طریقے سے

کھاتا ہے ۔۔۔ قومی خزانے میں یتیم کا حق ہوتا ہے لہزا قومی

خزانے کو لوٹنے سے پرہیز کریں(اور مسکینوں کو کھانا دینے

کی نہ خود کو اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتا ہے) مسکین کے

ہاں پکانے کو کچھ نہیں ، تو اگر بچا ہوا کھانا کھلا دیا تو بھی

اس وعید سے بچ جائے گا اور اگر وہ بھی نہ ہو تو اس مسکین

کے مالدار پڑوسی اور رشتے داروں کو ترغیب دے۔ فائدا اس کا

یہ ہے کہ مسکین شرم کی وجہ سے کہہ نہیں سکتا تو ۔۔۔)

ـــــ

توبہ

ہزار (1000) گناہ مٹانے کے دو طریقے ہیں۔

(1 ہزار نیکیاں کرو یہ ان ہزار گناہوں کو مٹا دے گا۔

(2 یہ ارادہ کرو کہ میں رفتہ رفتہ ان ہزار گناہوں کو

نیکیوں سے مٹاؤں گا۔ مثلاً 200 مٹا دئیے اور آئندہ بھی

پختہ ارادہ کر کہ ان شاءاللہ ان 800 گناہوں کے بدلے بھی

نیکیاں کروں گا اور مر گئے۔ تو اللہ ان 800 گناہوں کو

معاف کرے گا ۔ (دوبارا بتا رہا ہوں لمبی امید سے پرہیز کریں

کیونکہ موت کا کوئی اعتبار نہیں(

گناہوں کو مٹانے کا بہترین طریقہ خدمت خلق ہے۔

حدیث میں ایک طوائف کو کتے کو پانی پلانے پر بخش

دیا۔۔۔ تو اپنے ماں باپ ، بیوی بچوں کے لئے حلال مال کما

کر کتنا اجر ہوگا ۔

عثمان رض نے ایک شخص سے مہنگے داموں کنواں خریدا اور

فی سبیل اللہ پانی دیتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ عثمان کو اب گناہ نقصان نہیں پہنچائے گا)

کنویں سے جو نیکیاں مل رہی تھی وہ اس کے گناہوں کو مٹا

دیتی (

اسی طرح پختہ سڑک بنائیں یا خود نہیں بنا سکتے تو حکومت

کو ترغیب دو۔

اپنی زندگی میں صدقہ جاریہ ضرور کریں کیونکہ ہمارے گناہ

بھی جاری رہتے ہیں ۔

اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات

بھی دے۔ یہ صدقہ جاریہ رہے گا۔

حلال مال کما کر تھک چکے ہوں، یا بیمار ہو چکے ہوں، یا

جسمانی معذور یا کمزور ہو یا اپنی خواہش کے مطابق کچھ ملتا

نہیں وغیرہ تو ذہن میں لانا کہ اس سے اللہ میرے گناہ معاف

فرماتے ہے۔

) دل میں سوال آتا ہے کہ اللہ تو کن کہہ کر گناہ معاف فرما

سکتا ہے تو اتنا مشکل اندازہ اور تقدیر کیوں بنایا تو جواب یہ

ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ، اللہ میرا مالک ہے اللہ کی ہی مرضی

چلے گی لہزا عقل مندی یہ ہے اللہ کے سامنے سارے ہتھیار ڈال

کر گھٹنے ٹیک دیں۔ اللہ سے گناہوں کو مٹانے کی توفیق مانگ

لے(

مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر ہم کچھ

نہیں کر سکتے ، کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا ، یہ اللہ ہی ہے جو

کام آسان بنا دیتا ہے ۔۔ اگر مایوس ہو چکے ہوں کہ اپنے گناہوں

کو مٹانا تو مشکل ہے ۔۔۔ تو اپنی دعاؤں میں یہ شامل کریں

کہ اللہ اپنے گناہوں کو مٹانے کی توفیق دے ۔

اللہ کے حکم میں شیطان دو طریقوں سے مداخلت کرتا ہے اور

شیطان کو کوئی پرواہ نہیں وہ ان میں سے کس طریقے سے

کامیاب ہو جائیں ۔ ایک کمی اور دوسرا بیشی۔

اسلام میانہ روی کا حکم دیتا ہے ۔

تم دیکھتے نہیں ہو کوئی حق کی مخالفت کرکے ظلم کر رہا ہے

اور کوئی حق کے نام پر ظلم کر رہا ہے ۔

مثلاً:

بیوی بچوں کو چھوڑ کر ساری عمر تبلیغ میں گزارنا اعتدال کا

راستہ نہیں ہے ۔ علماء کی مجلس میں بھی بیٹھے اور حلال مال

کما کر والدین ، بیوی بچوں کی خدمت بھی کریں ۔

اسی طرح فرض کے لئے نفل کو ترک کرنا پڑیگا ۔ مثلاً مسجد

میں نماز نفل ہے ، اور مریض کو ویٹنگ روم میں بلا وجہ نہ

رکھنا فرض ہے، لہزا ڈاکٹر کو چاہیے کہ اپنی ڈیوٹی کے دوران

مسجد کی بجائے اپنے کمرے میں نماز ادا کرے اور وہ بھی

مختصر نماز پڑھے، لمبی قرآت اور سجدوں سے پرہیز کریں کہ

وہ نفل ہے اور مریض کو تکلیف سے بچانا فرض ہے ۔

ان باتوں کا خیال رکھا کریں ، کیونکہ قرآن میں ہے مفہوم:

قیامت کے دن بعض لوگ ہوں گے جنہوں نے خود کو تھکا دیا

ہوتا ہے اور ملے گا کچھ بھی نہیں ۔

اور حدیث میں ہے مفہوم: ایک شخص حج میں گرد و غبار

سے آلود ہو گا لیکن تھکاوٹ کے علاؤہ کچھ نہیں ملے گا ۔

لہزا ہر عمل کرتے وقت اس عمل کے اصول و ضوابط سیکھ لیا

کرے۔

صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں ، طریقہ بھی صحیح ہونا

ضروری ہے ورنہ حدیث میں ہے مفہوم:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے ایسا عمل کیا جو قرآن و

حدیث سے ثابت نہیں تو وہ عمل مردود ہے ۔

ہم اللہ سے دعائیں ہی مانگ سکتے ہیں اور وہ بھی اللہ کی توفیق

سے۔

دعا مانگنے کے دو طریقے ہیں ۔ اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں

پیش کر کے دعا مانگنا۔ یا اللہ ، یا رحمن ، یا رب محمد ، یا

رب العالمین وغیرہ

اور نیک عمل کو وسیلہ بنا کر۔ ایمان ، نماز ، روزہ، خدمت

خلق وغیرہ ۔

مثلاً:

والدین کی خدمت کرکے اس کو وسیلہ بنا کر دل ہی دل میں

حاجت طلب کرنا مثلاً میرے گناہ معاف فرمانا یا تقدیر میں

مومنوں میں لکھنا یا کوئی دنیاوی حاجت طلب کرنا ۔

حدیث میں ہے مفہوم: جب تم دعا مانگتے ہوں تو زیادہ مانگا

کرو کیونکہ تم رب عظیم سے سوال کرتے ہوں ۔

زیادہ مانگنے کا تقاضا اللہ کی رضامندی مانگنا ہے کیونکہ اللہ

کی رضامندی سے بڑھ کر کچھ نہیں ۔ لہزا ہر نعمت یوں مانگا

کریں کہ یہ نعمت اللہ کی رضامندی کا باعث بن جائے ۔

۔۔۔۔

یا اللّٰہ ہمیں تقدیر میں مومنوں میں لکھ دیں اور ہمارے گناہ

معاف فرما۔ اور ہمیں دنیا اور آخرت کی عافیت دیں۔

آمین یا رب العالمین

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## اللّٰہ نیکی کے بدلے نعمتیں عطا کرتا ہے

اسباب کے دائرے میں دلیل بدیہی کے ساتھ مخلوق سے حاجت

طلب کرتے ہوئے یہ نظریہ ضرور ہو کہ اللّٰہ کی مشیت ہو تو ہی

مخلوق مدد کر سکے گا۔۔ ورنہ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ للّٰہ کے زمرے

میں آئے گا جسے کفر و شرک کہا گیا ہے ۔ اور وجہ یہ ہے کہ اللّٰہ

کی مشیت کو کمزور سمجھا گیا حالانکہ اللّٰہ کی مشیت کے

بغیر مخلوق کچھ نہیں چاہ سکتا ۔

مثلاً: دلیل بدیہی سے ثابت ہے کہ پانی) مخلوق (کے ذریعے

اللّٰہ جب چاہے پیاس بجھاتا ہے۔ اس لئے پانی سے مدد طلب کی

جا سکتی ہے لیکن اس نظریے کے ساتھ کہ اس پانی کا خالق بھی

اللّٰہ ہے اور اللّٰہ ہی پیاس بجھاتا ہے جب اللّٰہ چاہے۔

) اللّٰہ نے پیاس بجھانے کے لئے پانی کا انتخاب کیوں کیا

حالانکہ اللّٰہ کن کہہ کر بھی پیاس بجھا سکتا ہے تو اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ تقدیر کا مسئلہ ہے اور تقدیر کو اللہ ہی بہتر

جانتا ہے ۔) (قرآن میں ہے مفہوم: یہ دنیا کی زندگی تو دھوکے

کے سوا کچھ نہیں) (ہماری پیاس اللّٰہ بجھاتا ہے اور

ہمیں لگتا ہے کہ پانی نہ ہوتا تو ہم پیاسے ہی رہ جاتے۔۔)

(جذبات میں اسباب سے خوف اور امید شرک نہیں لیکن عقلی

طور پر ہمیں ہر وقت خود کو یاد دلانا پڑتا ہے کہ اللّٰہ ہی حقیقی

موثر ہے اور یاد دلانے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللّٰہ پڑھ کر

اللّٰہ سے مدد طلب کرنے کا اظہار کیا جاتا ہے اور الحمد للّٰہ پڑھ

کر پیاس بجھانے اور خیر پہنچانے کو اللہ کی طرف منسوب

کیا جاتا ہے) (ڈاکٹر کے پرہیز کا بھی یہی حال ہے ۔ اللہ بطور

امتحان کچھ چیزیں بند کرتا ہے (

یہ نظریہ کہنے میں آسان اور معمولی اور غیر ضروری لگتا ہے

لیکن جب اس کا مشق کروگے تو یہ تم میں انقلاب پیدا کریگا

اس لئے قرآن نے شرک سے پاک زندگی گزارنے پر زور دیا ہے ۔

اس نظریے میں خاص بات یہ ہے کہ نظریں اللہ کی طرف ہوتی

ہے ۔

مرے ہوئے بزرگ کا کسی کی مدد کرنا نہ تو دلیل بدیہی سے

ثابت ہے ، نہ قرآن نے اس کا اثبات کیا ہے البتہ قرآن نے اس کی

نفی کی ہے کہ وہ کسی طرح مدد نہیں کر سکتے لہٰذا ان سے

مذکورہ شرک سے پاک نظریہ کے ساتھ مدد طلب کرنا بھی

جائز نہیں ہے اور قرآن کی آیات کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے کفر

کا خطرہ ہے ۔

ہم اللہ کے ہی محتاج ہے ہر چیز میں ۔۔ اللہ کن فیکوں کے

ذریعے بھی ضروریات فراہم کر سکتا ہے لیکن تقدیر کے مطابق

نیکی کے بدلے ضروریات فراہم کرتا ہے ۔

ہدایت بھی اللہ کن فیکوں کر سکتا ہے لیکن تقدیر کے مطابق

قرآن میں سوچ و فکر کرکے اللہ کی ہدایت حاصل کی جاتی ہے

اللّٰہ کی مدد کو ہم مختلف قسم کے جائز اسباب میں تلاش

کریں گے ۔ مثلاً کسی کی رزق اللّٰہ نے دوکان میں لکھی ہے تو

اللہ سے رزق طلب کرنے کے لئے دوکانداری (خدمت

/ نیکی) کو وسیلہ بنانا پڑتا ہے ۔ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ میری رزق اللّٰہ نے تلوار کی نوک (مال

غنیمت) میں رکھی ہے ۔

جب انسان مجبوروں پہ صدقہ خیرات کرتا ہے۔ چونکہ یہ

صدقہ نیکی ہے تو اللہ اس نیکی کے بدلے اس کو اور رزق عطا

کرتا ہے ، جب یہ بندہ کہتا ہے کہ میں تنگ آ چکا ہوں اور نہیں

کر سکتا تو اللہ فرشتے کو حکم کرتا ہے کہ مجبوروں والا رزق

اس سے ختم کر دو۔۔۔ یہ انسان صرف خود کو نیکی اور

بھلائی سے محروم کرتا ہے ، اللہ ان مجبوروں کا کہیں اور

بندوبست کرتا ہے ۔۔ کلام کا حاصل یہ کہ نیکی کے بدلے اللہ

نعمتیں عطا کرتا ہے ۔

حرام کمائی میں بھی اللہ ہی رزق عطا کرتا ہے لیکن حرام عمل

کے بدلے نہیں بلکہ ماضی میں کئے جانے والی نیکی کے بدلے میں

۔۔ حرام عمل جلد بازی اور بے صبری کا نتیجہ ہوتا ہے تو اللہ

تعالیٰ بطور غضب نیکی کا بدلہ اس دنیا میں ہی دے دیتا ہے اور

حرام عمل کا گناہ الگ سے لکھا جاتا ہے ۔ اور حرام عمل

کرنے والے کو لگتا ہے کہ یہ رزق مجھے اس عمل سے ملا۔

حرام عمل کرکے نیکیاں اور زیادہ کرنی چاہیے تاکہ ازالہ ہوسکے

جس نیکی کا پورا بدلہ آخرت میں ہی چاہتا ہے تو اس نیکی کے

بدلے دنیا میں بدلہ بونس میں دیا جاتا ہے ۔ اس لئے اخلاص کی

ترغیب کی گئی ہے

جب انسان کو پتہ چل جائے کہ نعمت کے بدلے نیکیاں لی جاتی

ہے تو مومن نیکیاں کرنے میں اور تیزی کرے گا ۔

واضح رہے کہ نیکی بذات خود خدا نہیں ہے بلکہ اللہ سے مدد

طلب کرنے کا ذریعہ ہے ۔ اس لئے تمھاری نظریں اللہ ہی کی

طرف ہونی چاہئے ۔

عمر رض سے بادشاہ ملنے آ رہا تھا لوگوں نے اصرار کیا کہ

شاہانہ لباس پہنوں ، اصرار کے تاثر میں آ کر پہنا ، کچھ دیر

بعد نکال کر کہنے لگے کہ میں تم لوگوں سے بہتر اچھی زندگی

سمجھتا ہوں لیکن میں اپنی نیکیاں اس دنیا میں ختم نہیں

کرنا چاہتا ۔

ایک مالدار صحابی نے اپنے دسترخوان پر نظر دوڑائی اور فکر

مند ہو گئے کہ اللہ میری نیکیوں کا بدلہ اس دنیا میں ہی ختم

تو نہیں کر رہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آدھا کجھور خود کھاتے اور آدھا

کجھور خیرات کرتے تاکہ آدھے کجھور کھانے سے جو نیکیاں

چلی گئی وہ خیرات کرنے سے واپس مل جائے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **مغفرت اور رحمت والی آیتوں اور احادیث کا مقصد:**

اگر کوئی ان کا یہ مطلب لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں اور غفلت میں پڑے رہنے کی ترغیب دیتا ہے تو اس کے عقل میں نقصان ہے۔

یہ کیسی بات ہے کہ اللہ قرآن میں غفلت میں پڑے رہنے کی مذمت بھی بیان کرتا ہے اور ساتھ میں ترغیب بھی دیتا ہے۔

اصل مقصد نیکی اور توبہ) گناہ کو نیکی سے مٹانے کی کوشش (کی طرف ترغیب ہے۔

انسان جب سارا دن گناہ کرتا ہے اور پھر نیکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شیطان یا نفس طعنے مارتا ہے کہ اب نیکی کا کیا فائدا ، لوگ بھی کہتے ہیں کہ سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی، انسان مایوس ہو کر نیکی ترک کرتا ہے۔۔ اس وقت مغفرت اور رحمت والی آیات کی صدا آتی ہے کہ تمھاری نیکی کی اللہ کے دربار میں اب بھی قدر ہے ۔۔ چاہے تم آئندہ بھی گناہ کا ارادہ رکھتے ہو۔

اللہ نے مثال کے طور پر حدیث میں پیغام بھی دیا : کہ طوائف کو کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا ۔۔ کہ دنیا خاص کر عرب

طوائف کو حقیر سمجھتی ہےاور طعنے مارتے ہیں لیکن اللہ کو

اس بات کی پرواہ نہیں کہ نیکی کون کر رہا ہے ۔۔ ہر کسی کے

نیکی کی قدر ہے ۔۔ لہٰذا مایوس نہ ہو۔۔ نیکی کرتے رہو۔ اور

کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھو ۔

اللہ کی رحمت پہ جنت جائیں گے ۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت میں اعتدال سے کام لے، تکلف کے

درجے تک عبادت کو نہ پہنچائے۔۔ مثلاً ایسا نہ کر کہ ساری

رات تہجد کرکے دن کو فرائض ادا کرنے سے قاصر ہو جائے

۔۔

اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ نیکی اور گناہوں کو مٹانے کی کوشش

اللہ کی رحمت سے ملتی ہیں ۔ لہٰذا جب تم نیکی کرو تو خود کو

کریڈٹ نہ دو بلکہ الحمد للہ پڑھ کر اللہ کی طرف منسوب

کرو۔ عبادات پر جو صبر کرتے ہو یہ بھی اللہ کی رحمت ہے۔

یہ مطلب نکالنا کہ گناہ کرکے بے فکر رہو ۔۔ یہ عقل میں

نقصان کا تقاضا ہے ۔

اللہ کی طرف سے صدا آتی ہے کہ تم فرشتہ نہیں بن سکتے لہٰذا

اس امید میں نہ رہنا کہ آخری عمر میں توبہ کرکے فرشتہ بن

جاؤں گا اور نیکیاں کرتا رہونگا ، یہ غیر فطری ہے۔ ایسا کبھی

نہیں ہو سکتا ۔ تم ہر دور میں گناہ کروگے لہٰذا فطرتی زندگی

یہ ہے کہ صبح کے گناہ شام کے وقت مٹانے کی کوشش کریں اور

شام کے صبح کو۔ (ایسا کرنے والے کو توابین کہتے ہیں جس

کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ ہے)

گناہ کرتے وقت حساب کیا کریں کہ یہ گناہ جو میں کر رہا

ہوں اس کا ازالہ کیسا ہے مثلاً دل آزاری والی گناہ سے پرہیز

کریں اور بددعائیں لینے والے گناہ سے بھی پرہیز کریں کہ ان کا

ازالہ مشکل ہے ۔

نوٹ: یہ مقصد بھی لیا جا سکتا ہے کہ مغفور زندگی گزارنے کی کوشش کرے نہ کہ معصوم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## تین نظریات جو انسان کو عمل میں کمزور بنا دیتا ہے۔

1) قیامت سے انکار

2) یہودیت کہ کچھ دن جہنم میں رہیں گے پھر ویسے بھی جنت چلے ہی جائیں گے۔

3) نصرانیت کہ عیسیٰ ع، یا محمد ص، یا علی رض وغیرہ ہمیں بخشوائیں گے اور وہ اللہ کے لاڈلے بیٹے جیسے ہیں لہٰذا

اس کے امتی ہونے کے سبب ہم بھی اللہ کے لاڈلے اور محبوب

ہوئے لہٰذا ہمیں اللہ کچھ نہیں کہے گے خوب عیش کرو۔

ان تینوں میں سے کوئی بھی نظریہ کے ساتھ جب انسان جیتا ہے

تو یہ جانور یا اس سے بھی بدتر زندگی گزارتا ہے ۔

اس لئے قرآن میں ارشاد ہے:

أُولَٰٓئِكَ كَالْأَنْعَٰمِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْغَٰفِلُونَ ۝

7:179

ترجمہ: یہ لوگ) بالکل(جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان

سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے

ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ان نظریات کے ہوتے ہوئے انسان آسمانی کتابوں

کو دل کے کانوں اور آنکھوں سے نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں

اور نہ اس کی آیات میں سوچ و فکر کرتے ہیں ۔ جس کا نتیجہ

لا علمی ہے۔

اس لئے قرآن میں فرماتے ہیں:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ

8:22۞

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے

بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔

قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس کی آیات میں تدبر کیا

جائے۔ اصل میں تدبر زریعہ مقصد تک پہنچنے کا۔

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۞

38:29

ترجمہ) : یہ (کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے

تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل

نصیحت پکڑیں

بغیر معنی کے سوچ و فکر نہیں کیا جا سکتا لہٰذا جب خود

قرآن کی کوئی آیت نہیں سمجھتے تو اہل علم سے دل کے کانوں

سے سنئے ۔

اللّٰہ کے کلام میں کیسے اثر اور نصیحت نہیں ہوگی لیکن اللّٰہ

نے اس تاثر کو مشروط کیا ہے دل کے کانوں سے سننے پر یا عقل

سلیم پر۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

50:37

ترجمہ: بے شک اس کتاب میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل

(آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے

مشروط کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اللہ غنی و

بے پرواہ ہے تو اللہ کے کلام میں بھی استغنا پڑا ہوا ہے جب تم

خود قرآن کا احتیاج نہیں رکھتے تو اللہ کا کلام تو ویسے بھی بے

پرواہ ہے۔

اللّٰہ فرماتا ہے تم سب کے سب گمراہ ہو مجھ سے ہدایت مانگو

میں تمہیں ہدایت دوں گا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- **سوالات:**

عموماً چار طرح کے سوالات کئے جاتے ہیں ۔

1) سوال جو حکمت و دانائی پر مشتمل ہو۔

2) سوال جس میں جہالت پایا جائے ۔

(3 سوال جو ریپیٹڈ (repeated) ہو۔

(4 کثرتِ سوال

۔۔۔

(1 نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس سوال کا وہ جواب دیتے تھے جو اس سوال کا ظاہری مطلب تھا ۔

2) اس سوال سے سائل میں جو جہالت پایا جاتا تھا اس

جہالت کا ازالہ کرتے تھے ، ظاہری سوال کا جواب نہیں دیتے تھے

۔

مثلاً:

ایک شخص نے پانچ سوالات پوچھے تھے جو غیب سے تعلق

رکھتے تھے ۔ اللہ ان سوالات کا جواب وحی کے ذریعے نبی ص کو

بتا سکتے تھے ۔ لیکن سائل کی جہالت کا ازالہ کیا گیا ۔ جہالت

یہ پایا گیا کہ وہ شخص نبی ص کو عالم الغیب سمجھتے تھے ۔

تو اسے بتایا گیا کہ غیب تک بغیر اسباب کے پہنچنا مخلوق

کے بس کی بات نہیں ۔

اسی طرح جب یہ پوچھا گیا کہ آپ ﷺ پر درود شریف کیسے

پیش ہوگا جب آپ ﷺ قبر میں بوسیدہ ہو چکے ہونگے ۔ نبی

کریم ﷺ نے ظاہری سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ سائل کی

جہالت کا ازالہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کے بدن

کو حرام کر دیا ہے ۔ ظاہری سوال کا جواب قرآن و حدیث سے

ویسے بھی معلوم تھا۔

3) ایک بار مسئلہ بتایا جائے اور دوبارا اس بارے میں

سوال کیا جائے تو نبی ﷺ اس سوال میں تاویل کرتے تھے ،

سوال کے ظاہری مطلب کا جواب نہیں دیتے تھے بلکہ تاویل

شدہ مطلب کا جواب دیتے تھے۔

مثلاً:

ایک صحابی نے جنگ میں مرا ہوا بچہ پایا تو اس نے کہا یہ

نہیں ہونا چاہیے۔

نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ

نہیں۔

چونکہ یہ بات پہلے بار بار کی جا چکی تھی کہ جنگ میں بھی

بچوں کو مارنا حرام ہے ، اس لئے نبی ﷺ نے اس کے سوال

میں تاویل کیا۔ اور صحابی کے سوال کا مطلب یہ بنایا کہ

کتنا بھی احتیاط کریں جنگ میں معصوم لوگوں کو نقصان

پہنچتا ہی ہے لہٰذا کسی بھی صورت میں جنگ نہیں ہونی چاہئے

۔ تو اس پر نبی ﷺ نے جواب دیا کہ جنگ کے علاوہ کوئی

آپشن نہیں بچا۔ بہترین اخلاق ، صبر، لفظوں میں ہجرت ،

مکان میں ہجرت یہ سب کر چکے لیکن پھر بھی ہمیں آزادی

سے اسلام پر جینے نہیں دے رہے اس لئے مجبوراً نہ چاہتے ہوئے

معاشرے کی اصلاح کے لئے جنگ کرنا پڑ رہا ہے ۔ جنگ آخری

چال ہے۔

)سوال کے جواب کا ظاہری مطلب یہ لیا جا رہا ہے کہ خیر ہے

اگر جنگ میں معصوم لوگوں کو مارا جائے ، دھماکے میں مر

جائے کوئی بات نہیں ۔۔۔ یہ بالکل ناقص مطلب ہے ۔ نبی

ﷺ نے سوال میں تاویل کیا اور مطلب یہ بنایا کہ کتنا بھی

احتیاط کریں جنگ میں ، پھر بھی معصوم لوگوں کو نقصان

پہنچتا ہی ہے ۔۔۔ دھماکوں میں تو صاف لاپرواہی ہوتی ہے

جبکہ صحابی کے تاویل شدہ سوال کا مطلب یہ تھا کہ احتیاط

کے باوجود بھی نقصان پہنچتا ہے ۔)

4) کثرت سوال ۔ غیر ضروری سوال پر نبی ص غصہ ہوتے

تھے ۔۔۔ اس سے دین مشکل ہو جاتا ہے ۔

موسی علیہ السلام نے جب اللہ کا حکم پہنچایا کہ گائے ذبح

کرو۔۔

مطلق گائے ذبح کرنے پر اللہ کا حکم ادا ہو سکتا تھا لیکن

انہوں نے سوال پہ سوال کرنا شروع کئے اور اپنے لئے دین کو

مشکل کر دیا ۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ۔ ایک

شخص نے پوچھا کیا ہر سال فرض ہے ۔ نبی خاموش ہو گئے ۔

بار بار پوچھنے پر نبی نے فرمایا کہ اگر میرے منہ سے یہ نکلتا

کہ ہاں ہر سال فرض ہے ۔ تب تم پر ہر سال فرض ہوتا ۔

صحابہ نے پوچھا کہ کون سا درود شریف پڑھیں تو آپ ﷺ

نے فرمایا کہ درود ابراھیمی ۔۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مغفور ہے ۔۔ میری

تحقیق کے مطابق (صحیح مسلم حدیث نمبر **907**

انٹرنیشنل نمبر **405** سے اخذ کیا گیا ہے کہ) اگر یہ

سوال نہ پوچھتے تو ہر وہ درود شریف پہ جس میں شرکیہ الفاظ

نہ ہو درود ابراھیمی کے جتنا فضیلت حاصل ہوتا ۔ واللہ تعالیٰ

اعلم

واللہ تعالیٰ اعلم

● محاربین اور غیر محاربین

اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ۞

ترجمہ 31:13:

بیشک یقیناً شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔

توحید و اصلی اسلام انسان کو اللہ سے ملاتا ہے کیونکہ بغیر اللہ

کے انسان یقیناً خسارے میں ہی ہے۔ اصلی اسلام انسان کو

توابین بناتا ہے ، اپنے گناہوں کا حساب کرتا ہے کہ فلاں گناہ کا

ازالہ کیسا ہوگا اور یوں گناہ حد میں کرتا ہے اور نیکیوں سے

مٹانے کی کوشش کرتا ہے یوں اس انسان سے معاشرے میں

گناہوں سے جو فساد پھیلتا ہے اس کا ازالہ توبہ سے ہو جاتا ہے۔

اور انسان جہنم سے بچ کر جنت چلا جاتا ہے ۔

جبکہ کفر اور شرک انسان کو اللہ سے دور کرتا ہے ، انسان کو

عمل میں کمزور بنا دیتا ہے ۔ اور اپنے گناہوں کو یا تو نیکیوں

سے مٹاتا نہیں ہے یا بدعت سے مٹاتا ہے، بدعت سے اللہ

معاشرے کو کوئی خیر نہیں پہنچاتا۔ انسان جنت سے محروم

ہو کر جہنم چلا جاتا ہے جو کہ بہت ہی بڑا ظلم کرتا ہے کافر و

مشرک خود کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جنہیں کفر و

شرک کی طرف بلاتا ہے ۔

اس کفر و شرک کے ذریعے فساد پھیلانے کو روکنے کا حل

توحید و اصلی اسلام ہے۔ کہ اصلی اسلام پھیل جائے تو کفر و

شرک ختم ہو جائے گا یعنی معاشرے میں فساد کا ازالہ ہوتا

جائے گا۔

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ ہونا چاہیئے تھا کہ کافر اور

مشرک کو قتل کیا جائے یا انہیں زبردستی مسلمان کیا جائے

یا ان کو آزادی سے مذہب پر جینے نہ دیا جائے یا ان کو اپنے

مذہب کی اشاعت اور تبلیغ پر پابندی لگائی جائے یا ان کے

ساتھ تجارت بند کیا جائے یا جب وہ تمہارے پڑوس میں ہو

اور بھوکا ہو تو ان کو نہ کھلایا جائے کیونکہ کھا کر وہ شرک

ہی کریں گے اس طرح گناہ میں اس کی مدد ہو جائے گی تو ان

کو بھوکا ہی مار دیا جائے، وغیرہ ۔۔ (تاکہ لوگ جہنم سے بچ

کر جنت چلے جائیں(

لیکن

اس طرح سے دنیا اسلام سے متنفر ہو جائے گی اور یوں لوگ

اصلی اسلام کا مطالعہ نہیں کریں گے اور یوں اسلام پھیلنے سے

رک جائے گا۔

یہ اسلام کا روکنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ قرآن نے ان

لوگوں کی خوب مذمت کی ہے جو اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے

ہوئے ہیں۔

لہٰذا قرآن نے بطور عذر یہ قانون بنایا

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ 2:256 :

دین میں زبردستی نہیں ہے۔

معاشرے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ضد و عناد کی وجہ سے

اصلی اسلام کو پھیلانے سے روکتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ

کرپشن کرتے ہیں اور اس کی لشکر کی وجہ سے خوب طاقت

ہوتی ہے۔ چونکہ اصلی اسلام انسان کو توابین بناتا ہے تو ان

کرپٹ لوگوں کے ساتھ فکر لاحق ہوتی ہے کہ میرے لشکر اصلی

اسلام کو قبول کر لیں گے تو یہ کرپشن سے توبہ کریں گے یہ

سوچ کر کہ اس کرپشن کا ازالہ مشکل ہے تو اس نیت سے لشکر

چھوڑ دیں گے ۔۔ تو اس وجہ سے یعنی ایمان لانے کی وجہ سے

مخالفت شروع کرتے ہیں اور اصلی اسلام کو مٹانے کی کوشش

کرتے ہیں تاکہ آزادی سے کرپشن کر سکے۔۔ اور انہیں لوگوں

کو محاربین کہتے ہیں ۔ یہ معاشرے میں عموماً بہت کم

ہوتے ہیں تقریباً (اندازے کے مطابق) 2 یا آسان حساب کے

لئے 10--

یہ مخالفت میں مختلف حربے استعمال کرتے ہیں جن میں

پروپیگنڈا ، قومیت / وطن پرستی اور مذہب پرستی شامل

ہیں ۔

جیسا کہ فرعون نے یہ فارمولا موسی علیہ السلام کے خلاف

اپنایا کہ موسی تمھیں بے وطن کرنا چاہتے ہیں اور تم پر راج

کرنا چاہتے ہیں اور تمھارے باپ دادا کے مذہب کو ختم کرنے

کے ارادے سے موسی آیا ہے ۔ (حالانکہ اصلی اسلام میں خلافت

اور سربراہی خدمت خلق اور چوکیداری کے سوا کچھ نہیں (

حالانکہ فرعون کو صرف یہ فکر تھی کہ ان جادو گروں کی

طرح اور بھی اصلی اسلام قبول کریں گے تو میری مدد کرنے

والے تمام لشکر توابین بن کر مجھ سے کنارہ کش ہو جائیں گے

اور یوں میں اکیلا پڑ جاؤں گا ۔ اس لئے جادو گروں نے فرعون

سے کہا کہ تمھاری ہم سے دشمنی صرف ایمان کی وجہ سے ہیں

۔ اپنے حربے استعمال نہ کریں ۔

جہاد ان محاربین کے ہی خلاف ہے اور یہ جہاد ایک قسم کی

دفاعی جنگ ہے اور حملہ بھی دفاعی جنگ ہی ہے جس میں یہ

کوشش ہیں کہ اسلام پھیل جائے تاکہ لوگوں تک اصلی اسلام

پہنچ سکے اور ہر چیز میں قوانین اللہ کے ہو جائے معاشرہ فساد

سے بچ سکے۔

چونکہ محاربین لوگوں کو ایک بڑی نقصان میں ڈال رہے ہیں

اس لئے معاشرے کی اصلاح کے لئے انہیں قتل کیا جاتا ہے) اسی

کو عقلی نفرت بھی کہہ سکتے ہیں (

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ بدن کے کسی اعضاء کو خطرناک

بیماری لگ جائے اور ڈاکٹر کہے کہ اس اعضاء کو کاٹنا بدن کی

اصلاح کے لئے ضروری ہے ۔ تو بغیر جذباتی نفرت کے محض

عقلی نفرت کی بنیاد پر اس اعضاء کو کاٹا جاتا ہے ۔

جہاد کا مقصد اسلام کی سربلندی اور پھیلانا ہے۔

صلحِ حدیبیہ پر عمر رض نے ناراضگی کا اظہار کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہی فتح ہے۔ (کیونکہ اسلام کو پھیلانے کی آزادی مل گئی)

چونکہ یہ 10 محاربین بہت کم ہے ان کو مغلوب کرنا مسلمانوں کے لئے آسان ہے۔ تو محاربین مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے دنیا کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کا ساتھ دیں اور یوں منافق بن کر اسلام کے جامہ میں ناحق کام کرتے ہیں اور یوں ایک من

گھڑت اسلام کو بھی وجود دیا ۔ اور اس طرح 70 غیر

محاربین وجود میں آئی جو من گھڑت اسلام کی مخالفت

کرتے ہیں ۔ انہیں لگتا ہے یہی اصلی اسلام ہے۔

یہ کام چودہ سو سال پہلے منافقین کرتے تھے ، آج مولوی

حضرات ممبر پر بیٹھ کر اسلام کی آیات کو غلط انداز میں اور

خیر خواہی کی بجائے نفرت انگیز انداز میں بیان کرکے دنیا

کو اسلام سے متنفر کرواتے ہیں۔

مثلاً:

فتح مکہ کے وقت مسجد حرام میں نبی کریم ﷺ نے بتوں

کو لاٹھی سے توڑا۔۔ تو اس کو ایک بے موقع اور نفرت انگیز

انداز میں بیان کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے لوگ مذہب کے نام پر

کتنے حساس ہوتے ہیں غیر مسلم یہ سن کر اور متنفر ہو جاتے

ہیں اور اصلی اسلام کا مطالعہ نہیں کرتے ۔

جبکہ اس کا صحیح پہلو یہ ہے ۔

کہ نبی ﷺ غم خوار بہت تھے، یہاں تک اس کی یہ تمنا تھی

کہ اللہ اس تقدیر کو بدل دے جس میں یہ لکھا ہے کہ انسان

ظلم کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر مہر لگا دیا جاتا ہے

، توبہ کا دروازا کھولا ہو کر بھی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

۔۔ نبی ﷺ کی حرص تھی کہ سب کو توبہ کی توفیق مل

جائے اور جہنم سے بچ کر جنت چلے جائیں ۔

جس طرح کسی کو کینسر یا گردے میں پتھری ہوں ، اس کی

ماں کو غم خواری میں گردے کی پتھری پر غصہ آتا ہے کہ

تمھاری وجہ سے میرا بیٹا تکلیف میں ہے ایسے ہی ہر نبی اپنی

امت کے لئے روحانی والد کی طرح ہوتا ہے اور والدین سے زیادہ

غم خوار ہوتا ہے تو حضرت محمد ﷺ کو بتوں پہ) اللہ کی

خاطر(غصہ آیا کہ تمھاری وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو

کر جہنم چلے گئے اور ان بتوں پر ضرب لگاتے ہوئے یہ کہتے گئے

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

ترجمہ **17:81:**

اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل نابود

ہونے والا ہے۔

اسی طرح بیان کرنے سے نبی کی شفقت اور اچھی نیت غیر

مسلموں پر واضح ہو جاتی ہے جبکہ بے موقع اور بداخلاقی سے

کہنے سے محاربین کی مدد ہو جاتی ہے ۔

اور یہ مسجد حرام کا اصول اور قانون ہے کہ وہاں نہ بت رہیں

گے نہ کافر، یہاں تک جنگ کے ذریعے انہیں نکالیں گے تاکہ

مسجد حرام کفر و شرک سے پاک ہو۔ اگر منافقانہ طرز پر

رہتا ہے اور اس کی منافقت سورج کی روشنی کی طرح واضح ہو

جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا ۔

یہ اس لئے کہ مسجد حرام کفر و شرک سے پاک ہو اسی لئے

وہاں کے آس پاس علاقوں میں غیر مسلم اپنے مذہب کی تبلیغ

کرنے میں آزاد نہیں ہے کیونکہ تبلیغ سے مذہب پھیلتا ہے اور

یوں پھر مسجد حرام میں کفر و شرک لوٹ آئے گا ۔ یہ تبلیغ

کی پابندی کہیں اور ملکوں میں لگانا اصلی اسلام سے متنفر

کرواتا ہے اور یوں) اندازے کے مطابق) 20 اور غیر مسلم

اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اس نیت سے کہ اگر مسلمانوں کی

حکومت آگئی تو وہ ہمیں اپنے مذہب کی آزادی نہیں دیں گے ۔

۔۔۔

اسی طرح جو 10 (اصلی) مخالفین تھے وہ 100 مخالفین

بن کر اصلی اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ بن گئے ۔

ان 100 میں 10 محاربین ہو گئے ۔۔ جن کے خلاف جہاد

کا حکم ہے۔

من گھڑت اسلام کی مخالفت میں 70 لوگ اصلی اسلام کے

پھیلنے میں رکاوٹ بن گئی ۔

جبکہ 20 لوگ اپنے مذہب کی آزادی کے لئے اسلام کی

مخالفت کرنے لگے ۔

اسی طرح کفار کی دو جماعتیں بن گئی

محاربین (10) اور غیر محاربین (70 + 20 = 90)

محاربین کو نہ چاہتے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے لئے قتل کیا

جاتا ہے، اس غم خواری کے ساتھ کہ کاش وہ باز آجائیں اور

توبہ کریں ۔ (اسلام میں محبت ، نفرت ، غصہ وغیرہ عقلی

ہوتا ہے)

دل کی بھڑاس نکالنے کی نیت سے مارنے سے جہاد کا ثواب نہیں

ملے گا البتہ کراہت کے ساتھ جواز کا مرتبہ ہے کیونکہ مارنا تو

محارب کو ویسے بھی ہے۔ جیسا کہ نبی ص نے فرمایا کہ

اسلام کی سربلندی کے لئے لڑنا جہاد) کی فضیلت کو پاتا (

ہے۔

جبکہ نبی امت کی تعلیم کے لئے جواز کے مرتبے والے عمل بھی

کرتے تھے اور ساتھ میں استغفار کا بھی حکم تھا کہ جواز والے

عمل نبی کی شان کے ساتھ مناسب نہیں ۔ تو نبی ص نے بعض

محاربین کو اپنی گستاخی اور ضرر رسائی پہ مارا۔ (اس لئے

صرف محارب کو گستاخی رسول پہ مارنا جائز ہے یا اس شخص

کو جسے قانوناً کوئی سزائے موت سنائی گئی ہو۔ ہر گستاخی

رسول کی سزا قتل نہیں بلکہ اللّٰہ خود ان کا بدلہ دے گا واللہ

تعالیٰ اعلم)

اسی طرح محارب کی توبہ مرتے دم تک اسلام پر قائم ہونا ہے

جب بھی مرتد ہوگا تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی توبہ

ایک چال تھی اس لئے صرف اس مرتد کی سزا قتل ہے۔ یہ اس

لئے کہ اس مرتد پر مہر لگ چکا ہوتا ہے یہ اصلی اسلام کو نہ

پھیلانے کی کوشش ہی کرے گا یعنی محارب ہی رہے گا ۔۔ غیر

محارب اگر مرتد ہوگیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غیر محاربین کے ساتھ حسن اخلاق اور تعاون کا حکم ہے تاکہ

وہ مرغوب ہو جائے اور اصلی اسلام کا مطالعہ شروع کریں اور

یوں ممکن ہے کہ اسلام قبول کرکے جہنم سے بچ کر جنت چلے

جائیں۔ یا کم از کم رکاوٹ نہ بن جائے اور اسی طرح اصلی

اسلام پھیل جائے ۔

اس طرح نبی نے فرمایا کہ کفار کو اپنے خلاف للکارنا مت۔۔

چونکہ جہاد محاربین کے خلاف ہے اور پروپیگنڈا وغیرہ کی

وجہ سے غیر محاربین بھی ساتھ دیتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو

بہترین اخلاق ، صبر ، لفظوں میں ہجرت اور مکان میں

ہجرت کا حکم ہوتا ہے تاکہ اس طریقے سے غیر محاربین

محاربین سے الگ ہو جائے، تاکہ جہاد میں ان کو نقصان نہ

پہنچ جائے اور یوں دنیا اسلام سے متنفر نہ ہو جائے اور یوں

اسلام کے پھیلانے میں رکاوٹ نہ ہو۔

موجودہ دور میں تین جماعتیں ہیں ، مسلمان ، محاربین اور

غیر محاربین ۔

امام مہدی رح جب نزول فرمائیں گے تو ناکارہ علماء کو ختم

کریں گے اور یوں عیسی علیہ السلام کے نزول تک اصلی اسلام

سورج کی روشنی کی طرح غیر محاربین پر واضح ہو جائے گا اور

جب بھی حق مکمل واضح ہو جاتا ہے تو پھر دو ہی جماعتیں

بنتے ہیں مسلمان اور محاربین ۔

غیر محاربین میں بعض مسلمان ہو جائیں گے اور بعض ضد

و عناد کی وجہ سے محاربین اور دجال کے ساتھ شامل ہو جائیں

گے اور یوں غیر محاربین ختم ہو جائے گی اور یوں جزیہ کی

ضرورت نہیں پڑے گی۔۔

اس لئے عیسی علیہ السلام تمام کفار کے خلاف جہاد کریں گے

۔ "تمام" سے مراد محاربین ہی ہے جو دجال کے پیروکار ہوں

گے۔ (اس سے یہ مطلب نکالنا ناقص ہے کہ ہر کافر کو مارنا

جائز ہے ۔۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام محاربین کو ہی قتل کریں گے (

پھر مومن اور برائے نام مومن رہیں گے ۔ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا اس کو اللہ ٹھنڈی ہوا کے سبب مار دے گا۔ پھر برائے نام مومن رہ جائیں گے نہ وہ نیکی کو پہچانے گے اور نہ برائی کو برائی تصور کریں گے پھر شیطان ان کو بتوں)غیراللہ(کی پوجا کی ترغیب دے گا اور ان کی ظاہری زندگی خوب عیش میں ہو گی تاکہ نیکیوں کا بدلہ اس دنیا میں ختم ہو جائے اور پھر ان پر اچانک قیامت آئے گی۔

سوال: کیا محاربین ختم ہو چکے ہیں ؟

جواب: جب تک دین اسلام پوری دنیا پر واضح اور نافذ نہیں ہو گا تب تک محاربین رہیں گے اور ان کی خفیہ تدابیر بھی اور تب تک جہاد فی قتال بھی جاری رہے گا۔ اور یہ محاربین قیامت تک رہیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے مفہوم: جہاد قیامت تک جاری رہے گا ۔

اسلام کو پھیلانے میں اگر کوئی رکاوٹ بن رہا ہے تو اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے ۔ یہ بظاھر حملہ ہے لیکن یہ ایک قسم کی دفاعی جنگ ہی ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

- ## قرآن مجید آخری کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہے ۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ۔

یہ جامع کلام ہے ۔ قرآن پر عمل کرنا تورات، انجیل وغیرہ پر عمل کرنا ہے کیونکہ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ اور خلاصہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ) اس کتاب میں موجود ہے۔

یہ کتاب شاہی دستور ہے۔ کہ اللہ کے قوانین انفرادی اور

اجتماعی طور پر لاگو کرنا ہوتا ہے ۔

یہ شاہی دستور قیامت تک کے تمام ادوار کے لئے حق اور مناسب

ہے ۔

پہلے رسولوں پر اللہ کا شاہی دستور اور کتاب نازل ہوتا تھا اور

اس دستور کی اشاعت کرتے تھے ۔

اور ساتھ میں انبیاء علیہم السلام بھی بھیجتے تھے اشاعت کے

لئے ۔ اور معجزات بھی دکھاتے تھے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ

یہ کتاب و دستور اللہ کی طرف سے ہے۔

پھر قرآن کی اشاعت کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بھیجا گیا اور ساتھ میں معجزات بھی تھے ۔ آپ ص کی وفات

سے تمام معجزات ختم ہو گئے سوائے قرآن مجید کے۔

قرآن مجید کا معجزہ رہ چکا ہے اور قیامت تک اس کی اشاعت

کرنا مومن کی زمہ داری ہے ۔ اشاعت کے لئے نئے نبی کی ضرورت

نہیں ہے

کیونکہ

جب داعی اخلاق کے دائرے میں تہذیب یافتہ الفاظ میں قرآن

مجید کا بیان کرتا ہے تو قرآن کا معجزہ طلبگاروں پر ظاہر ہو

جاتاہے ۔ پھر یہ واضح ہو جاتاہے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے

ہے یہ زمین کی پیداوار نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

● برزخ زندگی

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ

الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۞

ترجمہ 46:5 :

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو

پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور انکو ان کے

پکارنے ہی کی خبر نہ ہو ؟

یہ آیت خاص برزخ زندگی میں رہنے والوں کے بارے میں ہے ۔

کیونکہ "الی یوم القیامہ" کی قید لگائی گئی ہے ۔ بت عادۃً

ہمیشہ جواب نہیں دے سکتے اور غافل ہے اور آیت کریمہ میں

قیامت تک کی قید لگائی گئی ہے۔ فرشتے تاحال بھی جواب دے

سکتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے مفہوم: کہ جب غائب

بھائی کے لئے دعا کی جائے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں

تمھارے لئے بھی ایسا ہو۔ زندہ انسان بھی جواب دے سکتے ہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر جواب نہیں دے سکتے تو وہ بھی ہمیشہ نہیں دے سکتے ، قیامت تک کی قید لگانے کی ضرورت نہیں تھی پھر ۔۔

لہذٰا یہ آیت خاص برزخ زندگی میں رہنے والوں کے بارے میں ہے ۔

اس آیت میں اور مناسب احتمال نہیں ہے اس لئے یہ آیت ایک قطعی دلیل ہے اور اس لئے اس آیت سے کسی کو مستثنیٰ کرنے

کے لئے یا تو قرآن کی آیت کی ضرورت ہے یا پھر متواتر حدیث

کی۔

جو خبر واحد احادیث مذکورہ آیت کے خلاف ہو ان احادیث

میں مناسب تاویل کیا جائے گا ۔ مثلاً

تمہارا درود مجھ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے ۔

یہ حدیث سوال مقدرہ کا جواب ہے۔ کیا درود آپ ﷺ کی

زندگی پر خاص ہے یا وفات کے بعد بھی درود شریف کا ایصال

ثواب پہنچے گا، اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ تمہارا درود مجھ

ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے ۔ یعنی ایصال ثواب پہنچتا ہے یعنی

درجات بلند کئے جاتے ہیں ۔ ضائع نہیں جاتا ۔۔

اسی طرح ہفتے سے جمعرات تک درود شریف جمع کئے جاتے ہیں

اور جمعے کے دن پیش کئے جاتے ہیں یعنی درجات بلند کئے

جاتے ہیں ۔

یہ مطلب نکالنا کہ نبی ﷺ کو پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں نے

درود شریف مجھ ﷺ پر پڑھا ہے ۔ یہ مذکورہ آیت کے بھی

منافی ہے اور حدیث کے بھی جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ

میں قیامت کے دن اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گواہی

دوں گا کہ جب تک ان میں موجود تھا میں خبر رکھتا تھا جب

تو نے وفات کیا پھر تو ہی نگران تھا۔۔

اگر مذکورہ آیت سے نبی کریم ﷺ مستثنیٰ ہوتے تو نبی

ﷺ قیامت کے دن یوں گواہی دیتے کہ فلاں مجھ پر درود

پڑھتا تھا باقی مجھے نہیں پتہ ۔۔

جو احادیث مذکورہ آیت کے صریح خلاف ہے اور ان میں

مناسب تاویل بھی نہیں کیا جا سکتا تو وہ احادیث ضعیف ہوں

گے ان کے سند کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

کسی شخص کو دعا کے لئے کہنا کہ میرے لئے اللہ سے مغفرت

طلب کریں جائز ہے ۔

عمرؓ نبی ﷺ کو دعا کے لئے کہتے جب آپ ﷺ وفات پا

گئے تب عباس رض کو دعا کے لئے کہتے ۔

اگر نبی ﷺ مذکورہ آیت سے مستثنیٰ ہوتے تو آپ ﷺ کے

قبر کے قریب دعا کے لئے کہنا جائز ہوتا۔۔ لیکن عمرؓ نے

نبی ﷺ سے دعا طلب نہیں کی ۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ

نبی ﷺ مذکورہ آیت سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔

برزخِ زندگی میں رہنے والے اس دنیا میں رہنے والے کی پکار کا عادةً

جواب نہیں دے سکتے ، جواب تو کیا قیامت تک غافل ہے ۔

غفلت کی کئی وجوہات ہو سکتی ہے ۔ یا تو انسان مصروف ہوتا

ہے، یا ہماری ساؤنڈ فریکوئنسی ان کے لئے آڈیبل نہیں ہوتی یا

دور ہوتا ہے۔

لیکن مذکورہ آیت کہتا ہے کہ غافل یقینی ہے ۔ اب اس بات کا

کوئی فائدا نہیں ہوا کہ برزخ زندگی میں رہنے والے کو ہماری

آواز عادةً سنائی دیتی ہیں یا نہیں کیونکہ اگر سنائی دیتی بھی

ہے تو فائدا کیا ہوا جب غافل ہے ۔ اور قرآن وہ بات نہیں بتاتا

جس کا فائدا نہ ہو۔ اس لئے قرآن نے صاف لفظوں میں یہ

نہیں کہا کہ انہیں سنائی دیتی ہیں یا نہیں ۔

نوٹ:

ایک اصل حقیقت ہوتی ہے جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور ایک

بقدر ضرورت حقیقت ہوتی ہے جو عقل سلیم اور محکمات کے

مطابق ہوتی ہے ۔ مذکورہ مفہوم بقدر ضرورت حقیقت ہے ۔

جبکہ برزخ زندگی کی اصل حقیقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ

نے "لا تشعرون" کا صیغہ لگا دیا ہے ۔ یعنی متشابہات میں

سے ہے ۔

میرے نزدیک بعض اہل علم برزخ زندگی کی اصل حقیقت کو

بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ برزخ زندگی اور

جنت کی زندگی بہت مختلف ہے کہ حدیث میں ہے مفہوم:

جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ کسی انسان نے اس کا تصور

بھی نہیں کیا ہے۔

برزخ زندگی کی بقدرِ ضرورت حقیقت کا مقصد یہ ہے کہ برزخ

زندگی میں رہنے والوں کو دعا کے لئے کہنا لغو اور فضول کام ہے۔

اللہ کو راضی کرنے کے وہ طریقے اپنائیں جو قرآن و حدیث سے

ثابت ہے ۔

رہی بات حیات اور موت کی ۔ تو یہ قرآن میں کئی معنی پر

استعمال ہوا ہے ۔

روحِ اور دنیاوی بدن جب ملے ہو اور نیکی کا موقع میسر ہو تو

اس کو عادۃً حیات کہتے ہیں اور جب روحِ دنیاوی بدن سے جدا

ہو کر پرندے کے جوف میں چلا جائے اور نیکی اور ایمان کا

موقع ختم ہو جائے تو اس کو عادۃً موت کہا گیا ہے ۔

مقصد کی زندگی گزارنے کو حیات کہا گیا ہے ۔ اور بے مقصد

زندگی گزارنے کو موت کہا گیا ہے ۔ شہید مر کر بھی نیکیاں

کما رہا ہے یعنی مقصد کی زندگی گزار رہا ہے اس لئے زندہ ہے ۔۔

آخرت میں زندگی کا مقصد جنت ہے اور جہنمی چونکہ بے

مقصد زندگی گزار رہا ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان

کو نہ دھریہ والا موت آنی ہے کہ ہمیشہ کے لئے فنا اور غیر موجود

ہو جائے اور نہ اصل موت جس میں جدائی ہوتی ہے یعنی جہنم

سے جدا نہیں ہوں گے اور نہ زندگی زندگی جیسی ہوگی بے

مقصد زندگی جو گزار رہے ہوں گے ۔ (اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا

فَاِنَّ لَهٗ جَهَـنَّمَ‌ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ۞ 20:74)

برکات والی نعمتوں اور خوشحالی میں رہنے کو حیات کہا گیا ہے

جیسے کہ شہداء برکات والی نعمتوں میں جی رہے ہیں تو اس کے

بارے میں فرمایا گیا کہ ان کو اموات نہ کہنا بلکہ احیاء کہنا

کہ خوب نعمتوں کے سرور میں ہے ۔

رہی وہ موت جو انسان کے کامن سینس میں ہوتا ہے اس کا وجود

ہی نہیں ہے یہ تو دہریہ کا نظریہ ہے کہ بس فنا اور غیر موجود ہو

جائیں گے ۔

موت میں اصل چیز جدائی اور نیکی کا موقع گنوانا ہے۔ باقی

تقریباً سب اوہام ہے۔ مثلاً میری اولاد کا کیا ہوگا ۔۔ تو

تمھاری اولاد کا پہلے بھی اللّٰہ ہی رب تھا اور آئندہ بھی اللّٰہ ہی

رہے گا ۔۔ وغیرہ

واللہ تعالیٰ اعلم

ــــــــ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم آمین یا رب العالمین

ـ

ــــــــ